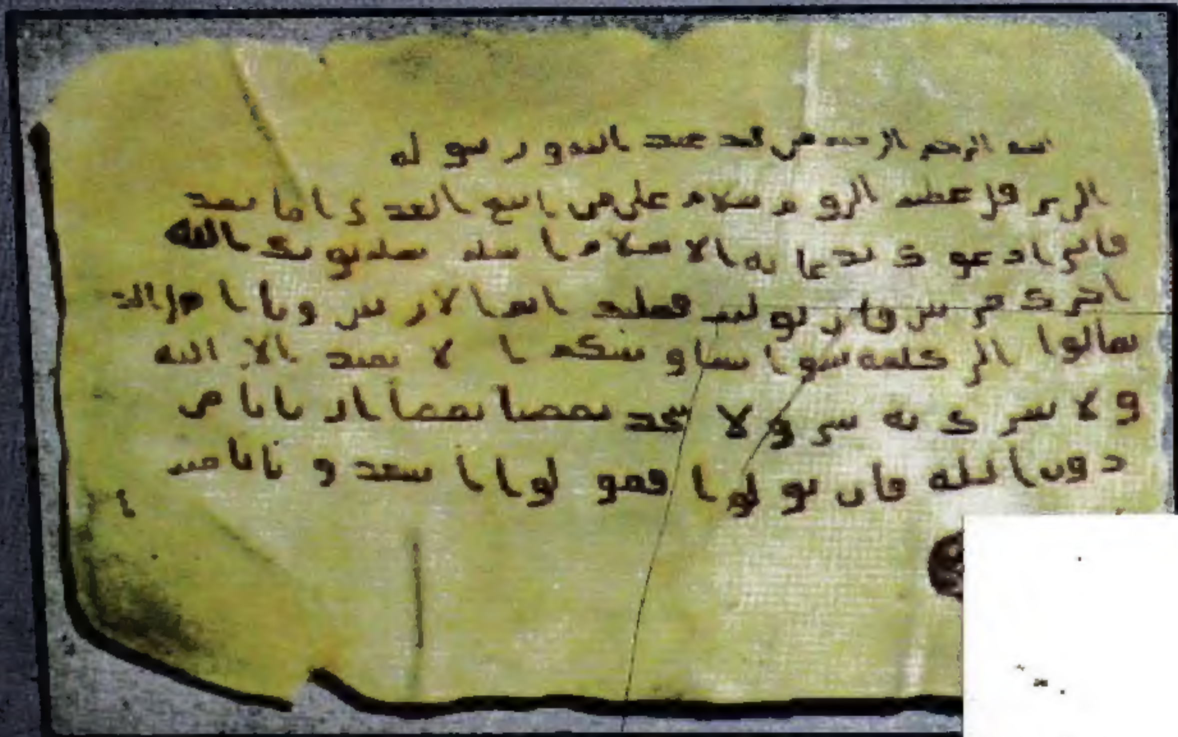
اس کتاب میں سیرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہم واقعات کو اختصار، تحقیق اور جامعیت کے ساتھ نہایت سلیس اور شگفتہ زبان میں بیان کیا گیا ہے۔

نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ
رسول
محمد

تالیف: قاضی زین العابدین میرٹھی



بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ
الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدی اما بعد
فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ
اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط ویا اھل الکتاب
تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ
ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من
دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

BEACON BOOKS

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں سیرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہم
واقعات کو اختصار، تحقیق اور جامعیت کے ساتھ نہایت سلیس
اور شگفتہ زبان میں بیان کیا گیا ہے

تالیف: قاضی زین العابدین میرٹھی

بیکن بُکس



• غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 042-37320030
• گلگشت کالونی، ملتان فون: 061-6520790-6520791

BEACON BOOKS

E-mail:info@beaconbooks.com.pk
Web: www.beaconbooks.com.pk

297.63 میرٹھی، قاضی زین العابدین
نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم/ قاضی زین العابدین میرٹھی
ملتان، لاہور-: بیکن بکس، 2010۔
144ص
1. سیرت۔

اشاعت : 2010ء
عبدالجبار نے
حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹنگ پریس لاہور
سے چھپوا کر بیکن بکس ملتان-لاہور
سے شائع کی۔

قیمت : 140/- روپے

ISBN : 978 - 969 - 534 - 191 - 9

فہرست

دیباچہ

مؤلف محترم نے کتاب کی خصوصیات میں ''سلاستِ زبان'' کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ ۱۳۵۸ھ کا زمانہ تھا جب یہ کتاب تالیف ہوئی چونکہ زبان ایک ترقی پذیر وتغیر پسند وجود کا نام ہے اس لیے پچاس سال کا زمانہ بیت جانے پر اس تحریر کی سلاست وسہولت والی صفت کافی متاثر ہوئی ہے۔ اس لیے ہم نے اس میں چند الفاظ بدلے ہیں تاکہ تحریر کی پیچیدگی کم ہو۔

''نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم)'' جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ اور اسلامی تاریخ کے دورِ اول جسے خیرُ القرون کہا گیا ہے، کی بہترین جامع وپر مغز تلخیص ہے۔

مؤلف نے آج سے قریباً پچاس سال پہلے یہ کام بچوں کی ذہنی صلاحیت کو پیش نظر رکھ کر کیا، مگر ہماری موجودہ صورتِ حال کے تناظر میں یہ بچوں کے لیے ہی نہیں بلکہ بڑوں کے لیے بھی بصیرت افروز اور راہنما کتاب ہے۔

مؤلف نے کمال مہارت سے تلخیص کی ہے۔ تفصیلات ترک کیں مگر ربط نہیں ٹوٹنے دیا۔ اختصار کے ساتھ ساتھ بعض جگہ بڑے خوبصورت انداز سے واقعات کے اسباب ونتائج پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ خود مؤلف نے اپنی اس تالیف کی درج ذیل خصوصیات ذکر کی ہیں:

۱۔ سیرتِ طیبہ سے متعلق تمام اہم واقعات اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۲۔ واقعات کے بیان میں تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مگر ربط و تسلسل کا دامن بھی کسی صورت ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔

۳۔ جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی ہے وہاں واقعات کے اسباب و علل سے بھی سہل انداز میں بحث کی گئی ہے۔

۴۔ زبان آسان و سلیس لکھی گئی ہے اور بیان میں سادگی و شگفتگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۵۔ تمام مضامین، عربی کی بعض قدیم اور بیشتر جدید، سیرت کی معتبر و مستند، کتابوں سے لیے گئے ہیں سیرۃ کی جدید کتابوں میں سے یہ چار کتابیں تو اس تالیف کے لیے اساطین اربعہ کی حیثیت رکھتی ہیں:

(۱) نور اليقين في سيرة سيد المرسلين (الشيخ محمد الخضری بک).

(۲) دروس التاريخ اسلامی (محی الدين الخياط).

(۳) محمد رسولُ الله صلى الله عليه وسلم (محمد رضا)

(۴) حياة سيد العرب صلى الله عليه وسلم (حسين عبدالله باسلامه)

بیکن بکس نے سیرتِ پاک کا نور عام کرنے کے جذبہ سے اس خوبصورت کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازیں اور دنیا و آخرت کا ذخیرہ بنائیں۔

والسلام

زاہد محمود قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمدن المصطفیٰ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ الذین اصطفیٰ

مقدمہ

علم تاریخ:۔

تاریخ ایک ضروری اور مفید علم ہے اس سے ہم کو دنیا کی تمام نئی اور پرانی قوموں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور ہم ان کی ترقی اور تنزّل کے اسباب سے واقف ہو جاتے ہیں۔ ہم جان جاتے ہیں کہ کس طرح ایک قوم عزت کے آسمان کا ستارہ بن کر چمکی اور دوسری قوم ذلت کے میدان کی گرد بن کر منتشر ہو گئی۔

اس طرح ہمارا تجربہ بڑھتا ہے، ہماری معلومات میں زیادتی ہوتی ہے اور ہم اپنی قوم کی زندگی کو بہتر اور شاندار بنا سکتے ہیں۔

تاریخ کی ابتداء:۔

انسان کی عادت ہے کہ جب اس کی زندگی میں کوئی بڑا اور خاص واقعہ پیش آتا ہے تو وہ اُسے ہمیشہ یاد رکھتا ہے بلکہ روزمرہ پیش آنے والے دوسرے چھوٹے موٹے واقعات کو بھی اِس سے نسبت دے کر یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

مثلاً حضرتِ نوح علیہ السّلام کے زمانے میں جو طوفان آیا تھا وہ ایک واقعہ تھا اَب لوگوں نے اس واقعہ کی طرف نسبت دے کر کہنا شروع کیا کہ فلاں شخص طوفانِ نوح سے سو برس پہلے پیدا ہوا تھا یا فلاں لڑائی طوفانِ نوح سے پانسو برس بعد ہوئی تھی۔

بس اِس طرح چھوٹے واقعات کو بڑے واقعات کی طرف نِسبت دینے سے تاریخ کی بُنیاد پڑ گئی اور آہستہ آہستہ بڑے ملکوں اور قوموں کی تاریخ تیار ہو گئی۔

تاریخ کے بنیادی پتھر:۔

یوں تو دنیا میں بہت سے بڑے بڑے واقعات پیش آئے جن کی طرف نِسبت دے کر دنیا کی قوموں نے اپنے حالات کو محفوظ رکھا مگر یہ تین واقعات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جن پر تاریخ کی بنیادیں اُٹھیں۔
دُنیا کی ابتدا۔ ولادتِ حضرتِ عیسیٰ (علیہ السلام) اور ہجرتِ حضرتِ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم

معتبر تاریخ:۔

دنیا میں انسانی زندگی کی پوری تاریخ، باوجود لگاتار اور اَنتھک کوششوں کے اب تک نہیں معلوم ہو سکی۔ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ اس کا بہت تھوڑا سا حِصّہ ہے اور اس تھوڑے سے حِصّہ میں سے بھی تحریری صُورت میں تقریباً تین ہزار سال کے واقعات ملتے ہیں۔

تاریخ کی قسمیں :۔

اِنسانی تاریخ کی دو قسمیں ہیں' تاریخِ عام اور تاریخِ خاص ۔ تاریخِ عام میں تمام دنیا کے انسانوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں اور تاریخِ خاص میں کسی خاص قوم یا کسی خاص گروہ یا کسی خاص سلطنت کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

تاریخِ اِسلام :۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں مذہب اِسلام کی ابتدا انسان کی پیدائش کے ساتھ ہوئی۔ دنیا میں جسقدر پیغمبرؑ آئے اُن سب نے اپنی امت کو اسلام ہی کا پیغام سنایا۔ یہ ضرور ہے کہ خدا کا یہ پیغام دنیا کے ابتدائی زمانہ میں اس وقت کی ضرورتوں ہی کے مطابق تھا۔ جب دنیا نے ترقی کی منزل میں قدم رکھا اور اس کی ضرورتوں میں اضافہ ہوا تو خدا کے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس پیغام کو مکمل صورت میں لے کر آئے۔

عام طور پر خُدا کے اس مکمل پیغام ہی کو اِسلام کہا جاتا ہے۔

اس لیے تاریخ اِسلام سے اس گروہ کی تاریخ مراد لی جاتی ہے جس نے خدا کے آخری پیغمبر محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا کے مکمل پیغام اِسلام کو قبول کیا اور آج دنیا کے ہر حصہ میں تقریباً ستر کروڑ کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔

تاریخِ اِسلام کی خصوصیت :۔

دنیا کی اکثر قوموں کی تاریخ کہانیوں اور قصّوں کی صورت میں ملتی ہے مگر اِسلام کی تاریخ میں یہ بات نہیں ہے۔ مسلمانوں نے شروع ہی سے اپنی

تاریخ کو مستند طور پر لکھا ہے اور ہر بات کا حوالہ دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں "تاریخِ اسلام" خاص امتیاز رکھتی ہے۔

دنیا کی ابتدا :-

دنیا کی ابتدا کے متعلق تاریخ کے عالموں میں اختلاف ہے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے صرف چار ہزار سال پہلے انسان پیدا ہوئے۔ بعض کا بیان ہے کہ چھ ہزار سال پہلے اور بعض کا خیال ہے کہ لاکھوں سال پہلے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ دنیا کی اس سب سے پرانی بات کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ سب مانتے ہیں کہ دنیا کی سب سے پرانی قومیں چینی، ہندوستانی اور مصری ہیں اور یہ دنیا میں آج سے چھ ہزار یا دس ہزار سال پہلے سے پائی جاتی ہیں۔[1]

انسان نے کس طرح ترقی کی :-

دنیا کے ابتدائی زمانہ میں انسان بالکل انجان تھا۔ پہلے اس نے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا سامان کیا، پھر کنبے اور خاندان بنائے، پھر شہر بسائے اور سلطنتیں قائم کیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان موجودہ تہذیب کی بلند منزل پر پہنچ گیا۔

زبان :-

جب انسان اکٹھے زندگی بسر کرنے لگے تو انھیں اپنی کہنے اور دوسرے کی سننے میں لیے بول چال کی ضرورت پڑی چنانچہ انھوں نے اس مطلب کے لیے کچھ الفاظ مقرر کر لیے۔ یہی زبان کی ابتدا ہے۔ جب تک انسان دنیا میں ایک جگہ

---

[1] درس التاریخ ۱۲

رہے زبان بھی ایک ہی رہی، لیکن جب آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے وہ مختلف قوموں اور گروہوں میں بٹ گئے تو اُن کی زبانیں بھی مختلف ہوگئیں۔

عرب

علمائے تاریخ نے نسلِ انسانی کو تین جنسوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) جنسِ ابیض۔

یہ وہ قوم ہے جو ایران میں پیدا ہوئی۔ پھر وہاں سے نکل کر ہندوستان، مغربی ایشیا اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئی۔

(۲) جنسِ اصفر۔

یہ وہ قوم ہے جو ملکِ چین میں پیدا ہوئی۔ پھر وہاں سے نکل کر شمالی ایشیا اور جزائرِ ملاکا تک پہنچی۔

(۳) جنسِ اسود۔

یہ وہ قوم ہے جو افریقہ اور آسٹریلیا میں پیدا ہوئی۔

نسلِ انسانی کی ان تین جنسوں کے میل ملاپ سے اور بہت سی درمیانی جنسیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ عرب اس درمیانی جنس سے ہیں جو جنسِ ابیض اور جنسِ اسود کے میل ملاپ سے پیدا ہوئی اور جسے "جنسِ اسمر" بھی کہا جاتا ہے[۱]۔

ملکِ عرب :-

عرب کا ملک ایک جزیرہ نما ہے جو بحرِ احمر، بحرِ ہند، خلیج عمان اور دریائے فُرات سے اِس طرح گھرا ہوا ہے کہ ایک جزیرہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خود ملک کے اندرونی حصہ میں پانی کی بڑی کمی ہے اور خشک پہاڑوں اور پہاڑیوں کی کثرت ہے۔

---

[۱] دروس التاریخ۔ ۱۲

طبعی لحاظ سے اس ملک کے پانچ حصّے ہیں۔

تہامہ :۔ یہ وہ حصّہ ہے جو بحرِ قلزم کے کنارے سے جبلِ سراۃ تک پھیلا ہوا ہے۔

حجاز :۔ یہ جبلِ سراۃ کا کوہستانی سلسلہ ہے جو یمن سے شام تک پھیلا ہوا ہے۔

نجد :۔ یہ اس کوہستان کا مشرقی حصّہ ہے جو یمن سے سماوہ، عروض اور عراق تک پھیلا ہوا ہے۔

یمن :۔ یہ وہ ٹکڑا ہے جو نجد کے جنوب سے بحرِ ہند کے ساحل تک اور مشرق میں حضر موت، شحر اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔

عروض :۔ یہ وہ قطعہ ہے جس میں یمامہ، بحرین وغیرہ شامل ہیں۔

آب وہوا :۔

ملکِ عرب کے اکثر حصّوں کی آب وہوا گرم وخشک ہے۔ یہاں کے بلند حصّوں میں گرمیوں کے زمانہ میں رات معتدل ہوتی ہے اور جاڑوں میں پانی جم جاتا ہے۔ مشرقی ہوا یہاں سب سے بہتر سمجھی جاتی ہے، جسے صَبا کہتے ہیں۔ یہاں کے بہت سے شاعروں نے صبا کی تعریف میں شعر لکھے ہیں۔ بادِ سموم اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ جھلسا دینے والی گرم ہوا ہوتی ہے۔ یہاں کا سب سے اچھا موسم، موسمِ ربیع ہے۔ یہ موسم بارشوں کے بعد آتا ہے۔ اس موسم میں گھاس اُگ آتی ہے۔ جس سے خشک زمینیں لہلہا اٹھتی ہیں اور مویشیوں کے چارہ کا انتظام ہو جاتا ہے۔

عرب اسلام سے پہلے

تمدنی حالت:-

خشک ملکوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے کسی ایک مقام پر مکان بنا کر نہیں رہتے۔ بلکہ اکثر خانہ بدوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملکِ عرب کے لوگ بھی اپنے اور اپنے مویشیوں کے لیے گھاس اور پانی کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے تھے۔ ان کی بسر اوقات زیادہ تر اونٹوں اور بکریوں کی پرورش پر تھی۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کی گزر بسر صرف جانوروں کی پرورش پر ہو اسے خوشحالی میسر نہیں ہو سکتی اور جب خوشحالی نہ ہو تو امن و اماں کہاں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر کے اس کے مویشی چھین لیتا تھا اور یوں لڑائی جھگڑوں کا ایک مستقل سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ہاں کچھ لوگوں کا پیشہ تجارت بھی تھا۔ یہ لوگ سوداگری کا سامان لے کر یمن اور شام جایا کرتے تھے مگر راستوں کی خرابی اور بدامنی کی وجہ سے اُن کی تجارت ترقی نہ کر سکی۔

مذہبی حالت:-

نبی عربیؐ کی پیدائش سے پہلے عرب والوں کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی۔ کہنے کو تو وہ حضرت ابراہیمؑ کے پیرو تھے۔ مگر سچ یہ ہے کہ انھیں حضرت ابراہیمؑ

کے دین سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اکثر قبیلے بڑے پکے بُت پرست تھے۔ خدا کے پاک گھر کعبہ میں، جسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خدا کی عبادت کے لئے نئے سرے سے بنایا تھا۔ ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے۔

سیاسی حالت :۔

عرب کے لوگ بہت سے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اور ہر قبیلہ کا سردار الگ الگ ہوتا تھا۔ یہ سردار اگرچہ بادشاہ نہیں ہوتے تھے، مگر اپنے قبیلے میں انھیں وہی رتبہ اور اختیارات حاصل ہوتے تھے جو بادشاہوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیدائش کے وقت مکہ معظمہ کے سردار اِن کے دادا عبدالمطلب تھے۔ اِس کے علاوہ رُوم اور ایران کی سرحدوں پر بسنے والے بعض عرب قبیلوں میں باقاعدہ ریاستیں بھی قائم تھیں۔ مگر اُن کے رئیس، روم اور ایران کے بادشاہوں کے ماتحت ہوتے تھے۔

اخلاقی حالت :۔

عرب والوں کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب تھی۔ یہ لوگ ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ بعض دفعہ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی چھڑجاتی تھی اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔ جُوا کھیلنے کا عام رواج تھا اور شراب پینے کو فخر کی بات سمجھتے تھے۔ بعض خاندانوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کردینے کا بھی دستور تھا۔

ہاں بعض باتیں اُن میں اچھی بھی تھیں۔ یہ لوگ تلوار کے دھنی اور بات کے پکے ہوتے تھے۔ مہمان نوازی اور بخشش کا بھی ان میں رواج تھا۔

عرب کے خاندان:-

علمائے تاریخ نے عرب کے رہنے والوں کو جو حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد ہیں، تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے:۔

عربِ بائدہ۔ عربِ عاربہ۔ عربِ مستعربہ۔

(۱) عربِ بائدہ۔ یہ عرب کے وہ پُرانے باشندے ہیں، جن کا اب نام و نشان نہیں رہا۔ اِن میں عاد۔ ثمود۔ جدیس طسم۔ عملاق۔ امیم۔ جرہم اور جاسم شامل ہیں۔ ان میں سے اکثر خدا کے عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔

(۲) عربِ عاربہ۔ یہ یمن اور اس کے قرب و جوار کے باشندے ہیں اور بنو قحطان کہلاتے ہیں۔ بنو جرہم اور بنو یعرب انہی کی شاخیں ہیں۔

بنو یعرب میں سے عبد شمس جو سبا کے نام سے مشہور ہے، یمن کے تمام قبیلوں کا جدِ امجد (بڑادادا) ہے۔ اسی نے یمن کا مشہور شہر "مارب" بسایا تھا۔ اور وہاں تین پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا بند باندھا تھا۔ اس بند میں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہوتا تھا۔ جس سے بلند مقامات کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔

یہ بند کچھ مدت بعد کمزور ہو کر ٹوٹ گیا تھا۔ جس سے سارے ملک میں بہت بڑا سیلاب آگیا تھا۔ اس سیلاب کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور عرب کی کہانیوں اور شعروں میں بھی جابجا موجود ہے۔ اس سیلاب سے تباہ ہو کر یمن کے اکثر خاندان دوسرے مقامات پر جا بسے تھے۔

(۳) عربِ مستعربہ۔ یہ حجاز اور نجد وغیرہ کے باشندے ہیں۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد میں ہیں۔ ان میں بہت سے قبیلے ہیں۔ جن میں "ربیعہ" اور "مضر"

مشہور ہیں۔ "مضر" ہی کی ایک شاخ قریش" بھی ہے۔ جس سے نبیٔ عربی صلعم کا تعلق ہے۔ عرب مستعربہ کو "بنو عدنان" بھی کہتے ہیں[1]

قریش :-

عرب کے تمام قبیلوں میں خاندانِ قریش کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ کعبہ جو تمام عرب کا دینی مرکز تھا، اس کے متولی یہی قریش تھے۔ اور مکہ معظمہ کی ریاست بھی انہی سے متعلق تھی۔ قبیلۂ قریش کی بڑی شاخیں یہ تھیں:

ہاشم، امیہ، نوفل، عبد الدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم۔

مکہ معظمہ کے تمام ذمہ داری کے عہدے انہی شاخوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان عہدوں اور ان کے متعلقین کی تفصیل یہ ہے:

(۱) سدانہ۔ یعنی کعبہ کی حفاظت اور اس کی خدمت۔ محافظ کعبہ ہی کے پاس کنجی رہتی تھی۔ اور وہی لوگوں کو اس کی زیارت کراتا تھا۔ یہ عہدہ بنی ہاشم کے خاندان میں تھا اور نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب اس عہدہ پر مقرر تھے۔

(۲) سقایہ۔ یعنی پانی کا انتظام۔ مکہ معظمہ میں پانی کی قلت اور موسم حج میں ہزار ہا زائرین کے جمع ہو جانے کی وجہ سے پانی کا خاص انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ چمڑے کے حوض بنوا کر انھیں صحنِ کعبہ میں رکھ دیا جاتا تھا اور آس پاس کے پانی کے چشموں سے پانی منگوا کر انھیں بھر دیا جاتا تھا۔ جب تک چاہِ زمزم دوبارہ صاف نہ ہو گیا یہ دستور جاری رہا۔ سقایہ کی خدمت بنی ہاشم سے متعلق تھی۔

---

[1] دروس التاریخ۔

(۳) رفادہ۔ زائرین کعبہ کی مہمان داری کے لیے قریش کے تمام خاندان ایک قسم کا چندہ ادا کرتے تھے۔ اس چندہ سے غریب زائرین کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ یہ خدمت پہلے بنی نوفل سے متعلق تھی۔ پھر بنی ہاشم کے حصہ میں آئی۔

(۴) عقاب۔ یہ قریش کے قومی جھنڈے کا نام تھا۔ جب لڑائی کا زمانہ ہوتا تھا تو اسے نکالا جاتا تھا۔ اگر اتفاق رائے سے کوئی معزز شخص جھنڈا اٹھانے کے لیے تجویز ہوگیا تب تو اُسے دے دیا جاتا تھا' ورنہ جھنڈے کا محافظ جو بنی امیہ کے خاندان سے ہوتا تھا یہ خدمت انجام دیتا تھا۔

(۵) ندوہ۔ یہ مکہ کی قومی اسمبلی تھی۔ قریش مشورہ کرنے کے لیے یہیں جمع ہوتے تھے۔ یہیں جنگ و صلح اور دُوسرے بڑے بڑے معاملات کے فیصلے ہوتے تھے اور قریش کی شادیاں بھی یہیں ہوتی تھیں۔ "ندوہ" کا انتظام بنی عبدالدار سے متعلق تھا۔

(۶) قیادہ۔ یعنی قافلہ کی رہنمائی، جس شخص سے یہ منصب متعلق ہوتا تھا وہ تجارت اور لڑائی کے سفروں میں قافلہ کی رہنمائی کرتا تھا۔ یہ منصب بنی امیہ کے پاس تھا۔ اور ابتدائے اسلام میں حضرت معاویہؓ کے والد ابوسفیان اس منصب پر مقرر تھے۔

(۷) مشورہ۔ جس شخص سے یہ منصب متعلق ہوتا تھا۔ اِس سے خاص معاملات میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ قریش کسی معاملہ کا آخری فیصلہ کرنے سے پہلے مشیر کی رائے حاصل کرلیتے تھے۔ یہ منصب "بنی اسد" سے متعلق تھا۔

(۸) قُبہ۔ جب مکہ والے لڑائی کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتے تو ایک خیمہ نصب کیا جاتا۔ اس خیمہ میں لڑائی کا سامان جمع کردیا جاتا تھا۔ یہ ذمہ داری بھی قریش کے کسی خاندان سے متعلق ہوتی تھی۔

(۹) حکومت۔ یعنی آپس کے لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔

(۱۰) سفارہ۔ یعنی ایلچی گری۔ جب کسی دشمن قبیلے سے صلح کی بات چیت ہوتی تو کسی سمجھ دار آدمی کو اس کام کے لئے مقرر کیا جاتا۔ ابتدار اسلام میں قریش کے آخری سفیر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ "قریش" عرب کا سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔ پھر قریش میں بھی بنی ہاشم کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ کیونکہ اکثر بڑے بڑے عہدے اُن ہی سے متعلق تھے[۱]

عرب کے میلے :۔

عرب میں میلوں کا بھی دستور تھا، رجب، ذیقعدہ ذی الحجہ اور محرم کے چار مہینے میلوں کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ ان میلوں میں تمام عرب کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ اس لئے ان چار مہینوں میں لڑائی موقوف رہتی تھی۔

اِن میلوں میں سب سے بڑا میلہ عکاظ کا تھا جو مضافاتِ مکہ میں طائف کے قریب لگتا تھا۔ عرب کے تمام قبیلوں کے خیموں سے میدان پٹ جاتا تھا اور بیس دن تک خرید و فروخت، مشاعروں، جلسوں کی ہماہمی رہتی تھی۔ بڑے بڑے چوٹی کے شاعر یہاں آکر اپنا اپنا کمال دکھاتے تھے اور اپنی محنت کی داد پاتے تھے۔ اس میلہ میں چونکہ تمام عرب کے قبیلے جمع ہوتے تھے۔ اس لئے یہیں مختلف قبیلوں کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی ہوتا تھا۔

---

[۱] دروس التاریخ ۱۲

واقعۂ فیل :۔

اسلام سے پہلے کا ایک واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ چھٹی صدی عیسوی کے درمیان یمن کا رئیس ایک شخص "ابرہہ" نامی تھا۔ ابرہہ عیسائی مذہب کا ماننے والا تھا اور حبش کی عیسائی سلطنت کے ماتحت تھا۔ ابرہہ کو عیسائی مذہب کی اشاعت کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے دارالسلطنت "صنعاء" میں ایک عالیشان گرجا تعمیر کرایا۔ اور عرب والوں کو ترغیب دی کہ وہ خانۂ کعبہ کا حج اور طواف کرنے کی بجائے اس گرجا کا حج اور طواف کریں۔ ابرہہ کا مقصد یہ تھا کہ اِس طرح عرب کے لوگوں کو عیسائی بنا لیا جائے۔

عرب کے اکثر قبیلوں نے ابرہہ کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس سے وہ جل گیا اور اس نے سوچا کہ خانۂ کعبہ کو مسمار کر کے قصہ ہی پاک کر دے۔ چنانچہ وہ بہت بڑے لشکر کے ساتھ جس میں تیرہ ہاتھی بھی تھے، کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے چلا۔ ابرہہ کا لشکر جب مکہ کے قریب پہنچا تو لشکر والوں نے مکہ والوں کا بہت سا سامان لوٹ لیا جس میں ہمارے نبئ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا سردارِ مکہ حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی تھے۔ عبدالمطلب لشکر گاہ میں ابرہہ کے پاس پہنچے۔ ابرہہ نے ان کی بڑی تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا اور پھر آنے کی وجہ پوچھی۔ عبدالمطلب نے کہا "آپ کے سپاہی میرے دو سو اونٹ ہنکا لائے ہیں، انھیں واپس دلوا دیجئے۔ ابرہہ نے کہا اے سردارِ مکہ! مجھے تعجب ہے کہ تم نے اپنے اونٹوں کے متعلق تو سوال کر دیا مگر کعبے کے متعلق کچھ نہ کہا جسے میں گرانے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے جواب دیا "اے بادشاہ! میں تو اپنے اونٹوں کا مالک ہوں، لہذا مجھے اُن کی فکر ہوئی۔ جو "کعبہ" کا مالک ہے وہ اِس کا انتظام کر لے گا۔ ابرہہ اس جواب کو سن کر چپ ہو گیا اور حضرت عبدالمطلب کے اونٹ واپس

کرنے کا حکم دیا۔

ابرہہ کے پاس سے لوٹ کر حضرت عبدالمطلب کعبہ میں گئے اور اس کا حلقہ پکڑ کر خدا سے اس کی حفاظت کی دعا مانگی اور پھر سب مکّہ والوں کو لے کر آس پاس کی پہاڑیوں میں چھپ گئے۔

خدا نے عبدالمطلب کی دعا قبول فرمائی۔ جونہی ابرہہ نے مکّہ میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہزار ہا پرند فضا میں چھا گئے جن کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ یہ کنکریاں انھوں نے ابرہہ کی فوج پر برسانی شروع کردیں، کنکریاں کیا تھیں خدا کا عذاب تھیں۔ جس کے سر پر پڑیں اُسے زندہ نہ چھوڑا۔ ابرہہ کی ساری فوج تتر بتر ہوگئی۔ خود اس کے ہاتھیوں نے اس کی فوج کو کچل ڈالا۔ ابرہہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر یمن پہنچا جہاں کچھ عرصہ کے بعد وہ مرگیا۔

مکّہ والوں نے اس غیبی فتح کی بڑی خوشی منائی اور اسے کسی آنے والے مبارک واقعہ کا نیک شگون قرار دیا۔

وِلادت باسعادت

واقعۂ فیل کے کچھ ہی دن بعد اسی سال مکہ کے مقدس شہر اور قریش کے معزز خاندان میں اُن کے محترم سردار حضرت عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عبداللہ کے گھر ہمارے تمہارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول "سنہ فیل" مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء یوم پیر ہے۔

آپ ﷺ کی پیدائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کا درمیانی زمانہ ۵۷۱ سال ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۱۷۱۶ سال ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۵۴۵ سال ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور طوفانِ نوح کا درمیانی زمانہ ۱۰۸۱ سال ہے اور طوفانِ نوح اور حضرت آدم علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۲۲۴۲ سال ہے۔ اس حساب سے آپ ﷺ کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السّلام کے درمیان ۶۱۵۵ سال کی مدت ہوتی ہے۔

نسب نامہ:-

والد محترم کی طرف سے آپ ﷺ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عبداللہ   عبدالمطلب   ہاشم   عبدمناف

قصی   کلاب   مرہ   کعب   لوی   غالب

قریش مالک نضر کنانہ خزیمہ مدرکہ
الیاس مضر نزار معد عدنان

عدنان کے بعد سلسلۂ نسب مبارک کی کڑیوں میں مورخین کا اختلاف ہے۔ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ کڑیاں حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السّلام سے جا ملتی ہیں۔

والدۂ محترمہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔
محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔ آمنہ۔ وہب۔ عبد مناف۔ زھرہ۔ کلاب۔

کلاب کے بعد کی کڑیاں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوچکیں۔

یتیمی:۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت سے دو مہینے پہلے ہی باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ تجارت کے سلسلہ میں ملک شام کی طرف گئے تھے۔ راستے میں بیمار ہو گئے اور مدینہ میں اپنی ننھیال قبیلۂ بنی نجار میں اتر گئے، اور وہیں انتقال فرمایا۔ انہوں نے اپنے بعد پانچ اونٹ اور ایک باندی ترکہ میں چھوڑی۔

رضاعت:۔

عرب کے شرفاء کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دیہات کی دائیوں کے سپرد کر دیتے تھے تاکہ وہاں کی صاف و تازہ ہوا میں ان کی تندرستی بھی اچھی رہے اور ان کے اخلاق بھی درست رہیں۔ چنانچہ اس دستور کے مطابق عبد المطلب نے اپنے پیارے پوتے کو قبیلۂ بنو سعد کی ایک بی بی حضرت حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت حلیمہ نے

سرکارؐ کو چار سال تک اپنے گھر کی رونق بنائے رکھا اور اس زمانے میں ان کے گھر میں عجیب عجیب برکتوں کا ظہور ہوا۔

شقِّ صدر:۔

جب حضورؐ چوتھے سال میں تھے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن آپؐ بستی کے پچھواڑے اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے۔ یکایک دو شخص سپید لباس پہنے ہوئے آپؐ کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ انہوں نے آپؐ کو زمین پر لٹا دیا اور سینۂ مبارک چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی۔ پھر اسی طرح سینہ جوڑ دیا اور دونوں کاندھوں کے درمیان مہرِ نبوت لگا کر غائب ہو گئے۔

یہ عجیب واقعہ دیکھ کر آپؐ کے بھائی بھاگے ہوئے گھر گئے اور اپنے ماں باپ کو سارا قصہ سُنایا۔ دونوں میاں بیوی یہ قصہ سن کر ہانپتے کانپتے چراگاہ پہنچے، دیکھا تو حضورؐ کا رنگ فق پڑا ہوا ہے۔

انہوں نے فوراً سینے سے لگا لیا اور پوچھنے لگے۔ لال! کیا بات ہوئی۔ خوف زدہ کیوں ہو۔ حضورؐ نے بھی وہی قصہ دہرایا۔ حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر نے آپؐ کو تسلی دی اور گھر لے آئے[1]

لیکن اس واقعہ کے بعد حلیمہ فکر میں پڑ گئیں کہ اس دفعہ تو خدا نے خیر کر دی پھر کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا تو کیا ہوگا۔ اس لئے اگرچہ دل نہ چاہتا تھا مگر مجبوراً حضورؐ کو لے کر مکہ روانہ ہو گئیں اور حضرت آمنہ کی امانت ان کو واپس کر دی۔

---

[1] حیات سید العرب ۱۲

یسیری :-

سرکار کی عمر چھ سال کی تھی کہ آپ کی والدہ محترمہ آپ کو آپ کے والد ماجد کی ننھیال مدینہ منورہ لے گئیں۔ واپسی میں راستہ ہی میں بیمار ہوئیں اور مقام "ابوا" میں انتقال فرمایا۔ اب آپ کی پرورش کی سعادت آپ کی باندی ام ایمن کے حصہ میں آئی اور سرپرستی کا فخر آپ کے دادا عبد المطلب کو حاصل رہا۔

عبد المطلب اپنے ہونہار پوتے سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اور اکثر کہا کرتے "میرے اس فرزند کی بڑی شان ہے۔"

دادا کا انتقال :-

دو سال بعد آپ کے دادا عبد المطلب کا بھی انتقال ہوگیا۔ انتقال کے وقت اُن کی عمر ۱۴۰ سال کی تھی۔ عبد المطلب کے انتقال پر ان کے بیٹے اور حضورؐ کے چچا ابوطالب کے حصہ میں یہ دولت آئی اور وہ حضور کی سرپرستی فرماتے رہے۔

ابوطالب بھی اپنے بھتیجے سے بڑی محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ جہاں جاتے اپنے ساتھ لے کر جاتے اور جب سوتے تو اپنے پہلو میں سُلاتے غرض کسی وقت آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔

مگر انہوں نے آپ کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ کیا۔ اس زمانے میں پڑھنے لکھنے کا کچھ ایسا دستور بھی نہ تھا۔ پھر خدا کو منظور بھی یہ تھا کہ وہ ایک اُمّی (غیر تعلیم یافتہ) کو دنیا بھر کی قوموں کا اُستاد بنائے۔ اور اپنی قدرت کا تماشہ دکھائے۔

شام کا سفر :-

سرکارؐ کی عمر مبارک تیرہ سال کی ہوئی تو آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا پہلا سفر کیا۔ جب قافلہ شہر بصریٰ پہونچا تو وہاں ایک عیسائی راہب بحیرا نے آپ کو دیکھا۔ بحیرا نے آپ میں نبوت کی علامتیں پاکر آپ کے چچا ابوطالب کو مشورہ دیا کہ وہ آپ کو لے کر واپس لوٹ جائیں کیونکہ اُسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہودی آپکو قتل نہ کردیں۔ چنانچہ ابوطالب آپکو لیکر مکہ واپس لوٹ آئے۔

حِلفِ فضول :-

حضورؐ کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ آپؐ کے دوسرے چچا حضرت زبیر کی تحریک پر قریش کے قبیلوں نے ایک معاہدہ کیا کہ "اگر مکہ میں کوئی مظلوم آئے تو وہ اپنا ہو یا غیر ہم اس کی حمایت کریں گے۔

حضور پرنورؐ نے بھی اس معاہدے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

شام کا دوسرا سفر :-

پچیس سال کی عمر میں حضورؐ نے شام کا سفر دوسری مرتبہ کیا۔ اس مرتبہ آپؐ مکہ کی ایک ممتاز مالدار بی بی حضرت خدیجہؓ کی طرف سے تجارت کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے غلام مَیسرہ بھی تھے۔

اس سفر میں آپ کی ملاقات پھر ایک راہب سے ہوئی جس کا نام "نسطورا" تھا۔ بحیرا کی طرح نسطورا نے بھی آپؐ میں نبوت کی علامتیں دیکھیں اور آپؐ کی رسالت کی پیش گوئی کی۔ آپؐ کو اس سفر میں بڑا نفع حاصل ہوا۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح :-

تجارت میں حضورؐ کی شاندار کامیابی دیکھ کر، اور مَیسَرہ سے آپؐ کے عمدہ اخلاق وعادات کا تذکرہ سُن کر، حضرت خدیجہؓ سرکارؐ کی گرویدہ ہوگئیں۔ انھوں نے خود آپؐ کے پاس اپنی لونڈی بھیج کر آپؐ سے نکاح کی درخواست کی، جسے آپؐ نے منظور فرمالیا۔ اور حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کا پہلا نکاح ہوگیا۔

نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں اور ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اور سرکارؐ کی عمر مبارک ۲۵ سال کی. حضرت خدیجہؓ آخری وقت تک حضورؐ کی وفادار اور اطاعت گزار بیوی رہیں اور حضورؐ نے بھی جب تک وہ زندہ رہیں دوسری شادی نہ کی۔ حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادے تو بچپن ہی میں خدا کو پیارے ہوئے مگر تینوں صاحبزادیاں پروان چڑھیں اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کی عظمت وجلال کو دیکھا۔ ان میں سے سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں جن کی شادی آپ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ہوئی ۔

ایک مدّبرانہ فیصلہ :-

سرکارؐ نامدار کی عمر ۳۵ سال کی تھی کہ قریش نے خانۂ کعبہ کی عمارت کو جو بہت پرانی ہوگئی تھی، نئے سِرے سے بنایا۔ عمارت تو خیر بن گئی مگر جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ فخر اُسے حاصل ہو۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ کل جو شخص سب سے پہلے "حرم" میں داخل ہو وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرے۔
دوسرے دن سب سے پہلے حرم میں داخل ہونے والے سرکار نامدارؐ تھے۔

آپ ﷺ نے حکم دیا کہ حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھا جائے اور ہر قبیلے کا ایک ایک ممتاز شخص اس کے کنارے کو تھامے اور اس طرح سب مل جل کر اس کو اٹھائیں۔

حضور ﷺ کے اس فیصلے سے سب خوش ہو گئے۔ سب نے اتحاد و اتفاق کے ساتھ اُسے مل کر اٹھایا اور جب وہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو حضور ﷺ نے اُسے چادر میں سے اٹھا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب کر دیا۔

قبلِ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت:۔

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کی پہلی منزل ہی اعلیٰ اخلاق اور عمدہ اوصاف سے بھرپور تھی۔ آپ ﷺ نے کبھی بیہودہ کھیلوں میں حصّہ نہیں لیا۔ مشرکوں کے میلوں میں قدم نہیں رکھا۔ نہ کبھی شراب منہ کو لگائی اور نہ بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت چکھا۔

سچائی، ایمان داری، خوش معاملگی آپ ﷺ کے کیریکٹر کی ایسی خوبیاں تھیں جنہیں دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے آپ ﷺ اپنی قوم میں امین کے لقب سے مشہور تھے۔

یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ اوصاف آپ ﷺ میں خداداد تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں کیا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ پڑھے لکھے نہ تھے اور نہ آپ ﷺ نے انھیں اپنی سوسائٹی سے سیکھا۔ کیونکہ جس سوسائٹی میں آپ ﷺ پیدا ہوئے تھے اُسے ان کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔

غارِ حرا:-

نبوّت سے پہلے آپ ﷺ میں تنہا پسندی کی عادت تھی۔ جہاں تک ممکن ہوتا آپ ﷺ دنیا اور اس کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے۔ مکّہ سے تین میل کے فاصلے پر حرا ایک غار ہے، اکثر آپ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے اور غار کی تنہائی اور رات کی خاموشی میں دنیا کی اصلیت اور اس کے بنانے والے کی عظمت پر غور فرمایا کرتے۔ اور لمبی لمبی راتیں خداوند تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے۔

اپنی قوم کی بُری حالت دیکھ کر آپ ﷺ بہت کُڑھتے اور سوچا کرتے کہ کس طرح انھیں بدی کی دلدلوں سے نکال کر نیکی کے سیدھے اور صاف راستے پر ڈالا جائے۔

جوں جوں نبوّت کا زمانہ قریب آتا گیا، آپ ﷺ کی یہ غور و فکر کی حالت ترقی ہی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ خدا کی عبادت اور مخلوقِ خدا کی ہدایت کی فکر میں غرق رہنے لگے۔

شرفِ نبوّت

جب سرکارِ نامدار ﷺ نے اپنی عمر کی چالیس منزلیں طے کرلیں تو خدا نے آپ ﷺ کو نبوت کا بلند مرتبہ بخشا۔ آپ ﷺ ایک دن غارِ حرا میں خداوند تعالےٰ کی عبادت میں مصروف تھے کہ جبرئیلِ امینؑ آپ ﷺ کے نام خدا کا پہلا پیغام لیکر تشریف لائے۔ وہ پیغام یہ تھا:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ	اپنے اس رب کا نام لے جس نے سب کچھ
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔	پیدا کیا جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے
اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ	سے پیدا کیا، پڑھو (اور جان لو) کہ تمہارا
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ	رب بزرگ ہے وہ جس نے قلم کے ذریعہ علم
مَالَمْ يَعْلَمْ۔	سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا۔

سرکارِ نامدار ﷺ اس عجیب وغریب واقعہ سے خوف زدہ ہوگئے۔ لرزتے، کانپتے گھر آئے اور لیٹ گئے۔ بی بی خدیجہؓ سے کہا مجھے چادر اڑھاؤ۔ اور پھر سارا واقعہ بیان کیا۔

حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا۔ آپ ﷺ نیکی کرتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں۔ محتاجوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ آپ ﷺ کا بال بیکا نہ ہونے دے گا، آپ ﷺ ہراساں نہ ہوں۔

پھر حضرت خدیجہؓ "ورقہ بن نوفل" کے پاس گئیں۔ یہ ان کے چچازاد بھائی تھے اور بہت بوڑھے تھے۔ انھوں نے سب آسمانی کتابیں پڑھی تھیں اور مختلف

دینوں کے متعلق اچھی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا :۔

اے خدیجہؓ! قسم خدا کی یہ فرشتہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا وہی ناموسِ اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا اور یہ اس وقت کے نبی ہیں۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا جب ان کی قوم انھیں دکھ دے گی اور وطن سے نکالے گی اور اُن کی پوری مدد کرتا۔

دعوتِ اسلام :۔

عرب والے اپنے عقیدے کے پکّے اور اپنے بتوں کے دیوانے تھے۔ وہ آسانی سے خدا کے سامنے سر جھکانے والے نہ تھے۔ اس لئے انھیں سیدھے راستے پر لانے کے لئے بڑی ہوشیاری اور تدبیر سے کام لینے کی ضرورت تھی۔

رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے سب سے پہلے خاموشی کے ساتھ ان لوگوں کو اسلام کا پیغام پہونچایا جن کے دل پہلے سے نیکی کی طرف مائل تھے چنانچہ سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابوبکرؓ کو، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کو۔ بچّوں میں حضرت علیؓ کو اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔

کچھ عرصہ بعد جب آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد کافی ہوگئی تو آپؐ کو کھلم کھلا اسلام کا پیغام سُنانے کا حکم دیا گیا۔

مخالفت :۔

مکہ والوں نے جب اپنے خیالات اور رسم و رواج کے خلاف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں سُنیں تو وہ آپؐ کے سخت مخالف ہوگئے اور طرح طرح سے آپؐ

کو تکلیفیں دینی شروع کردیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہتے، آپ پر پتھر پھینکتے اور گندگی اچھالتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تکلیفوں کی ذرا پرواہ نہ کی اور صبر و تحمل کے ساتھ اپنے فرض کو انجام دیتے رہے۔

قرآن کا جادو:۔

جب ڈرانے دھمکانے سے کام چلتا نظر نہ آیا تو کفارِ مکہ نے لالچ دے کر کام نکالنا چاہا۔ چنانچہ آپس میں مشورہ کر کے عتبہ بن ربیعہ کو جو اپنی قوم کا سردار تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ اُس نے کہا:۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم نے اپنی قوم کو بڑی مصیبت میں ڈالا ہے، تم نے ان کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے، ان کی عقلوں کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ اُن کے معبودوں کو بُرا بھلا کہا ہے اور اُن کے دین کی مذمت کی ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے ابوالولید" پھر تمہارا کیا مقصد ہے؟

عتبہ نے کہا۔ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے جو ڈھونگ رچایا ہے اگر اس سے مقصد دولت حاصل کرنا ہے تو ہم تمہارے لئے دولت جمع کر دیں۔ اگر عزت کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں اور اگر تم پر کوئی اور پری اثر ہے تو ہم اس کا علاج کرا دیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کی اس بکواس کا کچھ جواب نہ دیا بلکہ سورۂ سجدہ کی کچھ آیتیں سنائیں۔ قرآن کی یہ آیتیں سنکر عتبہ کی حالت کچھ اور ہی ہوگئی اور اسی حالت کے ساتھ وہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا۔ کفارِ مکہ نے پوچھا "کیوں ابوالولید کیا بات ہوئی؟" عتبہ نے کہا "کچھ نہ پوچھو میں نے ایسا کلام سنا ہے جو نہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ اے قومِ قریش تم میری بات مانو اور اس شخص کے پیچھے نہ پڑو واللہ اس شخص کا یہ کلام بے اثر نہ ہوگا۔"

کفارِ مکہ نے جب ولید کی زبان سے خلافِ امید یہ باتیں سنیں تو یک زبان ہو کر کہنے لگے ابوالولید معلوم ہوتا ہے تم پر بھی اس نے جادو کر دیا ہے۔

معجزہ شق القمر:۔

جب کفارِ مکہ کی یہ تدبیر بھی نہ چلی تو انھوں نے ایک اور چال کھیلی۔ ایک دن بہت سے کافر جمع ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے اور بولے:۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم اپنے آپ کو خدا کا سچا نبی بتلاتے ہو، اگر یہ سچ ہے تو ہمیں کوئی ایسی بات دکھاؤ جس سے ہم تمہیں خدا کا نبی ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ مبارک سے چاند کیطرف اشارہ کیا اور فوراً اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

یہ عظیم الشان معجزہ دیکھ کر بھی اِن کافروں کے دِل کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اور یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ آج تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب پر جادو کر دیا۔"

ہجرتِ حبشہ

اِن تمام تدبیروں کے ناکام ہونے سے کافر اور زیادہ بھڑک اُٹھے۔ اور انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اور زیادہ تکلیفیں دینا شروع کردیں۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تو ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن آپؐ سے اپنے ساتھیوں کی تکلیفیں نہ دیکھی جاتی تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے جائیں۔ جہاں کا حاکم ایک نیک دل عیسائی "نجاشی" تھا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نبوت کے پانچویں سال دس مردوں اور پانچ عورتوں کا ایک قافلہ خدا کے راستے میں اپنا وطن، اپنا گھر بار اور اپنا مال و متاع چھوڑ کر حبشہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ مہاجرین کے اس قافلہ کے سردار حضرت جعفر بن ابی طالبؓ تھے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نہایت آرام کے ساتھ ان لوگوں کو اپنے ملک میں رکھا۔ مگر چونکہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے اس لئے تنہائی اور بیگانگی محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ تین دن ٹھیرنے کے بعد واپس مکہ آگئے۔

دو سال بعد جب مسلمانوں کی تعداد میں زیادتی ہوگئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کا حکم دیا۔ اس مرتبہ ایک بڑا قافلہ روانہ ہوا۔ جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں، ان کے علاوہ یمن کے بھی کچھ مسلمان، جنمیں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے ان کے ساتھ آکر مل گئے۔ اب کی مرتبہ ان کو کوئی

تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ تمام مسلمان ایک "خدائی کنبہ" بن کر نجاشی کی حمایت میں امن و اطمینان کے ساتھ اپنے مذہبی احکام کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔

ایک اور چال :-

مسلمانوں کو اپنے گھر سے بے گھر کر کے بھی کفارِ مکہ کو صبر نہ آیا۔ انھیں جب یہ خبر ملی کہ حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کو پناہ دے دی ہے اور وہ ان کے ساتھ شرافت اور نیکی سے پیش آتا ہے اور ان کے مذہب میں رخنہ اندازی نہیں کرتا تو انھیں یہ بات بہت ناگوار گزری۔ چنانچہ انھوں نے بہت سے تحفے تحائف دیکر عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کو وفد کی صورت میں نجاشی کے دربار میں بھیجا۔

ان لوگوں نے تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد نجاشی سے کہا "اے بادشاہ! ہماری قوم کے کچھ نادان لوگ آپ کے ملک میں آبسے ہیں۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں انھوں نے اپنے باپ، دادا کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ یہ لوگ دوسروں کو بھی اس نئے دین میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ انھیں اپنے ملک میں پناہ نہ دیجئے بلکہ ہمارے حوالے کر دیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ یہاں بھی فتنہ پھیلائیں۔

نجاشی نے کہا:۔ میں جب تک ان لوگوں کو بلا کر ان کا جواب نہ سن لوں انھیں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا۔ پھر نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے وفد کے الزامات کا جواب دینے کے لئے کہا۔

مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور انھوں نے یہ تقریر کی :-

"اے بادشاہ! ہم پہلے جہالت میں پھنسے ہوئے تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ بے حیائیوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ آپس میں لڑتے مرتے تھے، پڑوسیوں کو تکلیف پہونچاتے تھے اور کمزوروں کو ستاتے تھے کہ خداوند تعالیٰ کو ہماری حالت پر رحم آیا اور اس نے ہمارے پاس اپنا ایک پیغمبر بھیجا۔

ہم خدا کے اس مقدّس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت، سچائی، ایمان داری اور پارسائی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس نے ہمیں تعلیم دی کہ خدا کو ایک جانو، بتوں کی پوجا نہ کرو، سچ بولو، آپس میں میل ملاپ سے رہو، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کرو، فساد نہ پھیلاؤ، بے حیائی اختیار نہ کرو، بدکلامی سے بچو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ، نماز پڑھو روزہ رکھو، صدقہ دو اور حج کرو۔ اے بادشاہ ہم نے خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو قبول کر لیا اور ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بس یہ ہمارا سارا قصور ہے۔"

نجاشی پر حضرت جعفرؓ کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے کہا کہ:۔

"تمہارے نبی پر خدا کا جو پیغام اُترا ہے اس میں سے کچھ سُناؤ"

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موقعہ کی مناسبت سے سورۂ مریم کا کچھ حصہ سُنایا۔ قرآنِ کریم کی یہ سورۃ سُن کر نجاشی نے کہا "یہ کلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام دونوں ایک چراغ کی دو روشنیاں ہیں۔" اور مسلمان ہو گیا۔

اس نے قریش کے تمام تحائف واپس کر دیئے۔ قریش کا وفد ناکام و نادِم واپس آیا اور مسلمان پہلے سے بھی زیادہ امن چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے[1]

---

[1] درس التاریخ و نور الیقین ۱۲

"معاہدہ" کا خلاصہ یہ تھا کہ بنی ہاشم (رسول اللہ کے خاندان) سے کہا جائے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کردیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو پھر بنی ہاشم کا بائیکاٹ کردیا جائے۔ نہ کوئی اِن سے ملے جلے، نہ کوئی بیاہ شادی کرے۔ اور نہ کوئی ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے۔

یہ معاہدہ لکھ کر اطلاعِ عام کے واسطے خانہ کعبہ کی دیوار میں لٹکا دیا گیا۔

بنی ہاشم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کرنے سے انکار کردیا سوائے ابولہب کے سارا خاندان شہر کو چھوڑ کر ایک پہاڑ کے درّہ میں، جسے شعبِ ابی طالب کہتے ہیں، جا بسا۔ یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال کا ہے۔

بنی ہاشم تین سال سے زیادہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس مدت میں انھیں بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ کھانے پینے کی اتنی تنگی تھی کہ کسی کسی دن درختوں کے پتے چبا کر پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔

آخر کار قریش کے چند لوگوں کو خود ہی اپنے ظلم کا احساس ہوا۔ ان میں سے چار آدمی کھڑے ہوئے اور باوجود دوسروں کی مخالفت کے انھوں نے اس عہد نامہ کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی :-

خداوند جلّ و علیٰ نے پہلے ہی اپنے پیارے رسول ﷺ کو خبر دے دی تھی کہ قریش کے معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور اس میں سوائے اللہ کے نام کے کوئی لفظ باقی نہیں رہا اور اب بہت جلد اس دیمک کھائے ہوئے معاہدہ کو چاک کردیا جائے گا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو یہ خوش خبری سنادی۔

حضرت عمرؓ سے اسلام کی قوت :-

اِدھر مکہ میں کافروں کی ہر قسم کی مخالفت اور ایذار کے باوجود روز بروز اسلام ترقی پکڑتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت حمزہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) اور حضرت عمر رضؓ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

حضرت عمرؓ بن الخطابؓ بہت بہادر اور بہت معزز آدمی سمجھے جاتے تھے۔ سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعا مانگی کہ "اے اللہ عمر بن الخطابؓ یا ابوجہل میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق بخش کر اسلام کو قوت دے" خدا نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول کی اور حضرت عمرؓ کے مسلمان ہوجانے سے اسلام کی طاقت بہت بڑھ گئی۔

اس وقت تک مسلمان خفیہ طور پر اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسلام لاتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب ہم کعبہ میں نماز پڑھیں گے، کافر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے کہنے پر مسلمانوں کو ساتھ لے کر پہلی بار کعبہ میں نماز باجماعت ادا کی۔

بائیکاٹ :-

مکہ کے کافر اسلام کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر پریشان ہو گئے اور انہوں نے طے کرلیا کہ جس طرح ممکن ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ قریش کے تمام قبیلے جمع ہوئے اور انھوں نے ایک معاہدہ کیا۔

چنانچہ یہ معاہدہ چاک کردیا گیا اور جب مطعم بن عدی نے اُسے چاک کرنے کے لئے اتارا تو اس میں سوائے اللہ کے نام کے اور کوئی حرف باقی نہ رہا تھا۔

اب بنی ہاشم پھر مکہ میں آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اپنے فرض کو انجام دینے میں مشغول ہو گئے۔

دو حادثے :۔

نبوت کا دسواں سال تھا کہ سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ انھوں نے اپنی قوم کے کہنے سننے کی شرم سے اسلام قبول نہ کیا تھا مگر وہ اپنی ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و حمایت میں کمر بستہ رہے۔ انھوں نے سارے خاندان، بلکہ تمام عرب سے دشمنی مول لی مگر اپنے عزیز بھتیجے کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کی حمایت کی وجہ سے ان کے جیتے جی کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی سخت تکلیف پہنچائے۔

چچا کے انتقال کے چند ہی روز بعد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی رفیقۂ زندگی اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی خدا کو پیاری ہوئیں۔ یہ بڑی ہمدرد و غمگسار بی بی تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو ان کی وجہ سے بڑی ڈھارس تھی۔ ان دونوں واقعات کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت محسوس فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کا نام "غم کا سال" رکھا۔

طائف کا سفر:۔

ابوطالبؓ کے انتقال سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور خدا کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اور زیادہ پریشان کرنے لگے۔ راستہ چلتے ہوئے آپؐ کے سرِ مبارک پر خاک بکھیرتے تھے۔ سجدہ کی حالت میں بکری کی اوجھڑی کمر پر رکھ دیتے تھے اور بعض اوقات آپؐ کا دامن پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا تم ہی ہمارے بہت سے خداؤں کا ایک خدا بنانا چاہتے ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھتے اور کہتے اے لوگو! کیا تم ایک خدا کے بندہ کو اس جرم میں قتل کرتے ہو کہ وہ خدا کو ایک سمجھتا ہے۔

جب حضور پُرنورؐ نے دیکھا کہ مکہ میں کامیابی کی امید نہیں تو آپؐ نے طائف کا قصد کیا تاکہ وہاں خدا کے دین کی تبلیغ کریں۔ طائف میں ثقیف کے قبیلے آباد تھے۔ جن سے رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ دور کی قرابت بھی تھی۔ ان قبیلوں کے سرداروں سے حضورؐ نے ملاقات کی اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان کم بختوں نے خدا کی اس دولت کو نہایت بے پروائی سے ٹھکرا دیا اور اسی پر بس نہ کی بلکہ اپنی قوم کے غنڈوں کو بہکا کر حضور پُرنورؐ کے پیچھے لگا دیا۔ ان غنڈوں نے خدا کے پیارے نبیؐ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ آپؐ کے خادم زید بن حارثہؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔ وہ اگرچہ پتھروں کی بوچھاڑ کو اپنے اوپر لینے کی کوشش کرتے تھے مگر پھر بھی سرورِ کائناتؐ کے قدم مبارک لہولہان ہو گئے۔

حضورؐ بستی سے نکل کر زخموں سے چور، تھکن سے نڈھال، ایک باغ کے قریب انگور کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اس باغ کے مالک نے ترس کھا کر انگوروں کا ایک

خوشہ آپ کو بھیجا۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کر کے اُسے تناول فرمایا۔

آپ نے یہاں بیٹھ کر دعا مانگی کہ "اے خدا میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری اور اپنی ذلت کا شکوہ کرتا ہوں۔ تو کمزوروں کا مددگار ہے۔ تو مجھے کس کے بھروسے پر چھوڑتا ہے۔ اگر تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی کی ناراضی کی پروا نہیں۔"

خدا کے حکم سے جبرئیل علیہ السّلام حاضر ہوئے اور کہا "اے خدا کے نبی، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ جس طرح آپ فرمائیں آپ کی ظالم قوم سے اس وحشیانہ حرکت کا بدلہ لوں۔" حضورِ پُرنور نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ ناواقف ہیں۔"[1]

---

[1] نور الیقین ۱۲۔

معراج

اسی زمانے میں خدائے تعالےٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو اپنے دربار میں حضوری کی عزت بخشی۔ یہ وہ عزت ہے جو جیتے جی کسی نبی کو میسر نہ ہوئی۔

آپ ﷺ ایک رات اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آرام فرمارہے تھے کہ جبریلؑ امین حاضر ہوئے اور "عُلوی دنیا" کے سفر کی آپ ﷺ کو دعوت دی۔ حضرت جبریل امینؑ اپنے ساتھ ایک سواری "براق" لے کر آئے تھے۔ یہ سواری اس قدر تیز تھی کہ نگاہ کی تیزی اس کے آگے مات تھی۔ حضور ﷺ اس پر سوار ہو کر پہلے بیت المقدس آئے۔ یہاں تمام دوسرے انبیاء کرامؑ بھی موجود تھے، آپ ﷺ ان کے امام بنے، اور سب نبیوں نے آپ ﷺ کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی۔

اس کے بعد آپ ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ ہر ہر منزل پر خدا کے نبیوں نے آپ کا استقبال کیا۔ خدا کے دربار میں پہنچے، اس کے حسن کا جلوہ دیکھا، اس کا کلام سنا۔ اس کی قدرت کے عجائبات دیکھے۔ اور یہ سب کچھ راتوں رات ہو گیا۔

صبح کو جب آپ ﷺ نے اس عجیب و غریب واقعہ کا ذکر کیا تو کافروں کو مذاق اڑانے اور فقرے کسنے کا ایک اور موقعہ مل گیا۔ ابوجہل ہمیشہ مخالفت میں آگے آگے رہتا تھا۔ جوں ہی اس کے کانوں میں یہ بات پڑی مکہ میں اس سرے سے اُس سرے تک گھوم گیا۔ ہر شخص سے کہتا "تم نے کچھ سنا، وہ صاحب جن کے پاس پہلے خدا کا پیغام آتا تھا اب خدا سے بات بھی کر آئے ہیں۔" کافروں میں سے جو کوئی یہ سنتا وہ بھی ٹھٹھا لگاتا۔

امتحان :۔

چند کافر جو بیت المقدس کا سفر کر چکے تھے، امتحان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے وہاں کی کیفیت پوچھنی شروع کی۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے سارا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔ مگر چونکہ ان کا مقصد ہی شرارت تھا۔ اس لئے اب وہ کہنے لگے "یہ بتایئے فلاں عمارت کی چھت میں کڑیاں کتنی ہیں اور فلاں دیوار میں طاق کس قدر ہیں؟"

ظاہر بات ہے کہ جو شخص کسی عمارت کو دیکھے وہ ایسی معمولی معمولی چیزوں کی طرف توجہ نہیں کیا کرتا لیکن کافروں کو ذلیل کرنے کے لئے خداوند تعالےٰ نے بیت المقدس حضور ﷺ کی نگاہوں کے سامنے کر دیا اور آپ ﷺ نے کافروں کے ایک ایک سوال کا صحیح جواب دیا۔ مگر وہ کم بخت اب بھی نہ مانے۔ کہنے لگے اچھا صاحب یہ تو بتایئے ہمارا تجارتی قافلہ جو شام سے لوٹ رہا ہے، اس وقت کہاں ہے۔ اور اس میں کتنے اونٹ ہیں اور ان پر کیا کیا سامان ہے۔"

حضور ﷺ نے خدا کی مدد سے ان کو قافلے کی بھی پوری کیفیت بتا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ فلاں دن سورج نکلتے ہی مکہ میں داخل ہوگا اور سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ ہوگا۔

کافر یہ کہہ کر چلے گئے کہ قافلہ کو آنے دیجئے پھر ہم آپ کے سچ جھوٹ کے متعلق فیصلہ کریں گے۔ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق اسی دن، اسی وقت، اسی کیفیت سے قافلہ مکہ میں پہنچا اور قافلے والوں نے حضور ﷺ کی ایک ایک بات کی تصدیق کر دی تو وہ شرمندہ ہو کر کہنے لگے "محمد ﷺ تم تو جادوگر ہو!"

صدیقؓ :-

انہی کافروں کی کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی ملاقات ہوگئی۔ سوچا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان کرنے کا یہ اچھا موقعہ ہے۔ کہنے لگے "ابوبکر خیر بھی ہے، تمہارے دوست محمد ﷺ کہتے ہیں کہ انھوں نے کل کی رات آسمانوں کی سیر کی ہے۔ بھلا کوئی اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" اگر محمد ﷺ یہ فرماتے ہیں تو ضرور صحیح فرماتے ہیں۔" کافر بولے میاں ایسی عجیب بات کی بھی تم تصدیق کرتے ہو؟" حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔"میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کر رہا ہوں۔" حضور ﷺ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو "صدیق" کا لقب دیا۔ صدیق کے معنی ہیں تصدیق کرنے والا۔[1]

یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے، ۲۷ رجب سوموار کی رات کا ہے۔[2]

---

[1] نورالیقین [2] محمد رسول اللہ ﷺ ۱۲

قبائلِ عرب میں تبلیغ

حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم جب قریش کی طرف سے نا امید ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے دوسرے قبیلوں میں تبلیغ شروع کر دی حج کے موسم میں سارے عرب کے قبیلے مکہ آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان قبیلوں میں جاتے اور انھیں اسلام کی طرف بلاتے کوئی ایمان لاتا اور کوئی نہ لاتا۔

مدینہ میں اشاعتِ اسلام :-

مدینہ میں "عرب عاربہ" کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ ان کا اصلی وطن تو یمن تھا۔ مگر یمن کے مشہور سیلاب کے بعد یہ مدینہ چلے آئے تھے۔ اور یہاں کے پرانے باشندوں کو جو یہودی تھے، مغلوب کر کے یہ مدینہ میں بس گئے تھے۔ ان دونوں قبیلوں کی آپس میں بھی چلتی رہتی تھی اور یہودیوں سے بھی لڑائی رہتی تھی، یہ مشرک تھے اور یہودی "اہلِ کتاب" تھے۔ یہودیوں کو توریت سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ اکثر اوس و خزرج سے کہا کرتے کہ "اب نبی آخر الزماں کا زمانہ قریب آ لگا ہے۔ ہم انکی مدد سے پھر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لیں گے۔"

ایک مرتبہ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے کچھ آدمی حج کے لئے آئے۔ حسبِ معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس اسلام کا پیام لے کر تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے سوچا کہ یہ وہی نبی آخر الزماں معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہودی ان

پر ایمان لاکر ہم کو مغلوب کردیں۔ چنانچہ ان میں سے چھ آدمی مسلمان ہوگئے۔

ان لوگوں نے واپس آکر مدینہ میں تبلیغِ اسلام شروع کی۔ چنانچہ اگلے سال بارہ آدمی خزرج اور اوس کے قبیلوں کے مدینہ سے مکّہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضور نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کردیا تاکہ انھیں قرآن کی تعلیم دیں۔ ان لوگوں کی تبلیغ اور حضرت مُصعَب بن عمیرؓ کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ کثرت کے ساتھ وہاں کے لوگ اسلام قبول کرنے لگے اور گھر گھر نبی آخرالزماں کا چرچا ہوگیا۔

چنانچہ اگلے سال جو نبوّت کا تیرھواں سال تھا۔ مدینہ کے ۷۳ مردوں اور عورتوں نے مقامِ "عقبہ" میں کفّار سے پوشیدہ حضور پرنورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ آپؐ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔

حضرت عباسؓ نے ایک مختصر تقریر میں کہا:۔

"اے اہلِ مدینہ! محمدؐ اپنے کنبہ میں عزّت اور حفاظت کے ساتھ ہیں۔ ہم نے اب تک انھیں دشمنوں سے بچایا۔ اب تم انھیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو تو اچھی طرح سمجھ لو، اگر تم اپنے عہد کو پورا کرسکو اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرسکو تو تم لے جاسکتے ہو، ورنہ انھیں یہیں رہنے دو۔"

یہ سُن کر برار بن معرور (سردار خزرج) کھڑے ہوئے اور انھوں نے جواب دیا "ہم خدا کی قسم کھاکر کہتے ہیں اگر ہمارے دل میں کچھ بدی ہوتی تو ہم اسے ضرور ظاہر کردیتے، لیکن ہم نے وفاداری اور سچائی پر قائم رہنے اور رسول اللہؐ پر اپنی جانیں قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

اس کے بعد سب یک زبان ہو کر بولے "یارسول اللہ ﷺ ہم سے آپ جو وعدہ لینا چاہتے ہیں شوق سے لیجئے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں تم سے اپنے خدا کے لئے تو یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لئے یہ کہ تم اپنے گھر والوں کی طرح میری بھی حمایت کرو۔"

یہ سن کر براءؓ نے کہا "یارسول اللہ ﷺ ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں۔"

ابوالہیثم بن تیہان ایک دوسرے سردار نے کہا "یارسول اللہ ﷺ اس بیعت کے بعد دوسرے قبیلوں سے ہمارے معاہدے ٹوٹ جائیں گے۔ یہ تو نہ ہوگا کہ جب آپ کو غلبہ حاصل ہو جائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں تشریف لے آئیں۔" یہ سن کر حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا "نہیں اب میرا خون اور تمہارا خون ایک ہے"[1]

اس بیعت کے بعد جسے "بیعت عقبہ ثانیہ" کہتے ہیں، سرکار نامدار ﷺ نے مرکز اسلام مکہ سے مدینہ منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں مسلمانوں کو مدینہ منورہ روانہ فرماتے رہے اور خود اپنی روانگی کے لئے حکم خداوندی کے منتظر رہے۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲۔

ہجرتِ مدینہ

آخر کار وہ وقت آگیا کہ خدا کا پیارا نبی، خدا کے پیغام کو مخلوق میں عام کرنے کے لئے اپنا وطن، اپنا خاندان اور اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل جائے۔ چنانچہ ایک رات جب کفارِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے آپؐ خدا کے حکم کے مطابق مکہ سے مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ آپؐ نے اپنے دو سب سے پرانے رفیقوں میں سے ایک (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کو اپنے ساتھ لیا اور دوسرے رفیق (حضرت علیؓ) کو اپنی جگہ اپنے بستر پر لٹا دیا تاکہ کافروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کی خبر بھی نہ ہو اور حضورؐ کے پاس جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں واپس بھی کر دیں۔

مکہ سے نکل کر حضورؐ نے تین دن تک "غارِ ثور" میں قیام فرمایا اور پھر آپؐ نے اور حضرت ابوبکرؓ نے دو اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔

صبح ہونے کے بعد جب کافروں کو جو رات بھر تلواریں لئے حضورؐ کے مکان کے چاروں طرف ٹہلتے رہے تھے، معلوم ہوا کہ آپ مکہ سے رخصت ہو گئے تو وہ اپنی ناکامی پر بہت جھنجھلائے۔ انھوں نے چاروں طرف سواروں کو دوڑایا کہ جہاں حضورؐ ملیں پکڑ لائیں اور حضورؐ کو گرفتار کرنے والے کے لئے سو اونٹ کا انعام بھی مقرر کیا، مگر خدا کی تدبیر کے آگے اُن کی کوئی تدبیر نہ چل سکی۔

خدا کی قدرت دیکھئے کہ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے پاؤں کے نشانوں کی مدد سے غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے کہا بھی کہ شاید

محمدؐ اس غار میں ہوں۔ لیکن دوسرے نے جواب دیا کہ محمدؐ اس غار میں نہیں ہوسکتے۔ اس کے منہ پر مکڑیوں نے جالا تن رکھا ہے اور کبوتروں کے گھونسلے بنے ہوئے ہیں۔"

جب کافر یہ گفتگو کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ پریشانی ہوئی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اطمینان سے انہیں تسلی دی کہ "فکر نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔" چنانچہ خدا کی مدد شامل حال رہی اور کافر سر پر پہنچ کر بھی ناکام لوٹ گئے۔

قبا میں نزول:۔

مدینہ والوں کو جب سے یہ خبر ملی تھی کہ خدا کا پیارا نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بستی کی رونق اور ان کی آنکھوں کے نور میں اضافہ کرنے والا ہے، خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے۔ روزانہ کئی کئی میل تک بستی سے باہر نکل کر انتظار کرتے تھے کہ وہ نظر آئیں تو اپنی مشتاق نگاہیں پیروں تلے بچھائیں۔ مگر دن چڑھے تک انتظار کر کے واپس لوٹ آتے تھے۔

ایک دن حسبِ معمول مدنی پروانوں کا ہجوم، شمعِ نبوت کی روشنی کا انتظار کر کے واپس لوٹ چکا تھا کہ ایک یہودی چیخ اٹھا۔ "لوگو! تمہیں جنکا انتظار تھا وہ آگئے۔"

یہ آواز سنتے ہی ساری بستی میں خوشی کا طوفان لہریں مارنے لگا۔ نعرہ ہائے مسرت سے فضا گونج اٹھی اور لوگ بے تحاشہ مکہ کی سڑک کی طرف دوڑ پڑے۔ سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے "قبا" میں جو مدینہ کے قریب

ایک چھوٹی سی بستی ہے اُتارا گیا۔ یہاں آپ نے چار روز قیام فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی یہیں آملے۔

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تاریخ اسلام میں سب سے پہلی مسجد کی بنیاد ڈالی اور یہیں مسلمانوں کے مجمع میں سب سے پہلے خطبہ دیا۔

مکہ کے "چاند" کا طلوع:۔

۱۲ ربیع الاوّل جمعہ مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء بھی مدینہ والوں کے لئے ایک یادگار دن تھا۔ سڑکوں اور بازاروں میں کھوا سے کھوا چھلتا تھا اور کوٹھے اور چھتیں عورتوں اور بچوں سے پٹی پڑی تھیں۔ یکایک مکہ کا چاند مدنی ستاروں کے جھرمٹ میں نمودار ہوا اور مدینہ کی فضا اِس نغمہ سے گونج اٹھی ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعِ

(وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہو گیا ہے۔ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں ہم پر خدا کا شکر واجب ہے)

مدنی پروانوں کے ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا ہر شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کی مہار کو اپنے قبضہ میں کرنے کی کوشش کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانی کی دولت اس کے حصہ میں آجائے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا "اونٹنی کی مہار چھوڑ دو اور اسے چلنے دو۔ جہاں خدا کو مجھے اتارنا ہے وہاں یہ اپنے آپ رک جائے گی۔" چنانچہ بنی مالک بن نجار کے محلّہ میں پہنچ کر اونٹنی خودبخود حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی اور یہ سعادت ان کو نصیب ہوئی۔

اپنے محلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اترتے دیکھ کر بنی نجار کے بچے خوشی میں مست ہو گئے اور چند بچّوں نے وارفتگی کے عالم میں یہ شعر پڑھنا شروع کیا۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ   یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارٍ

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں)   (آہا ہا محمدؐ کیسے اچھے ہمارے پڑوسی ہیں)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معصوم بچوں کے اس محبت بھرے نغمے کو سُنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے۔ بچو! کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ بچّوں نے جواب دیا "ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا جانتا ہے میرا دل بھی تمہاری محبت سے لبریز ہے۔" [1]

بھائی چارہ:۔

مدینہ منورہ میں تشریف لے آنے کے بعد سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مکہ بھیج کر اپنے سب گھر والوں کو بھی بلوا لیا۔ اور جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے وہ بھی ایک ایک کر کے مدینہ میں آ گئے۔

مکہ سے آنے والے مسلمان چونکہ اسلام کی خاطر اپنا گھر بار اور مال و دولت چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں آئے تھے اس لئے ان کی امداد کی ضرورت تھی۔ سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مہاجر (مکہ سے ہجرت کرنے والے) کو ایک

---

[1] نورالیقین ۱۲

انصاری (مددگار مدینہ والے) کا بھائی بنا کر اس کے سُپرد کر دیا۔ مدینہ والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے اس رِشتے کو سگے رشتے سے زیادہ سمجھا اور اپنی ہر چیز کے دو حصّے کر کے ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیا اور دوسرا حصہ اپنے مہاجر بھائی کے لئے پیش کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک انصاری بھائی کے دو بیویاں تھیں تو انھوں نے اپنے بھائی مہاجر سے کہا کہ میں ایک بیوی کو طلاق دیئے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔

مسجدِ نبوی:۔

اب تک مدینہ طیّبہ میں کوئی مسجد نہ تھی۔ مسلمان جہاں جگہ دیکھتے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانے کے کچھ ہی عرصہ بعد مسجد کی تعمیر شروع کرادی۔ اس مسجد کی دیواریں کچّی اینٹوں کی بنائی گئیں۔ کھجور کی لکڑی کے ستون قائم کئے گئے۔ اور کھجور کی شاخوں اور پتّوں سے چھت پاٹی گئی۔ اس مسجد کا فرش بھی کچّا تھا اور چھت بھی کچّی تھی۔ اس لئے جب مینہ برستا تھا تو ہر طرف کیچڑ ہو جاتی۔

مسجد کے ساتھ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے بھی حجرے بنائے گئے۔ یہ حجرے بھی کچّے تھے۔ اس مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ نے مزدور بن کر کام کیا۔ خود سَرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔

نئے مخالفین:۔

مدینہ منوّرہ میں اور اس کے آس پاس کی بستیوں میں بہت سے یہودی خاندان بھی آباد تھے۔ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اُن کی عرب قبیلوں سے

مخالفت رہتی تھی۔ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ اسلام کے قبول کرنے کے بعد مدینہ کے دونوں عرب قبیلے اوس اور خزرج مل جل کر شیر و شکر ہو گئے اور مکہ سے آنے والے مہاجرین سے اُن کی طاقت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے اور یہ طاقت روز بروز بڑھتی جاتی ہے تو انہیں بڑا فکر پیدا ہوا اور وہ اسلام کی طاقت کو توڑنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

مدینہ میں ایک شخص "عبداللہ بن اُبی" تھا۔ یہ وہاں کا سب سے بڑا رئیس تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے وہاں کی بادشاہت کا امیدوار تھا۔ مدینہ کے لوگوں میں اسلام کا عام میلان دیکھ کر ظاہر میں تو یہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ مسلمان ہو گیا مگر باطن میں سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کو اپنی آرزوؤں کے لئے موت کا پیغام سمجھتا تھا۔ چنانچہ یہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ یہودیوں کا خفیہ طور پر مددگار بن گیا۔ اس طرح "کفارِ مکہ" کی بجائے "مدینہ کے یہود اور منافقین" کی ایک نئی جماعت مسلمانوں کی حریف پیدا ہو گئی۔

چونکہ سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک ممکن ہو لڑائی جھگڑے سے بچنا پسند کرتے تھے اس لئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند شرطوں پر یہودیوں سے ایک معاہدہ کر لیا۔

اس معاہدہ کی خاص خاص شرطیں یہ تھیں کہ کوئی فریق کسی دوسرے فریق کے مذہب اور جان و مال کو نقصان نہ پہنچائے گا۔ دشمن کے حملہ کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرے گا اور اگر فریقین میں کوئی جھگڑا پیدا ہو گا تو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ اگرچہ دوستانہ تھا مگر اس میں مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت محفوظ تھی۔

جہاد

سرکارِ نامدار رحمۃ للعالمین ﷺ، تیرہ سال تک حکمت اور نصیحت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرتے رہے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا گیا۔ آپ ﷺ کو دیوانہ اور جادوگر بتایا گیا۔ آپ ﷺ پر نجاست پھینکی گئی، آپ ﷺ کو زخمی کیا گیا۔ آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں کی گئیں۔ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کا بائیکاٹ کیا گیا اور آخر کار گھر بار اور مال و دولت چھوڑ کر جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ سب ظلم آپ ﷺ نے سہے اور صبر کیا۔

خیال یہ تھا کہ اب مکہ سے نکل جانے کے بعد تو مکہ کے کافر پیچھا چھوڑ دیں گے اور مسلمانوں کو اطمینان کے ساتھ خدا کا نام لینے دیں گے۔ مگر ان بدبختوں نے خدا کے دین کی روشنی قبول کرنے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ اُسے بجھا دینے کا ارادہ کرلیا، چنانچہ مکہ میں بیٹھ کر وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے اور مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کو مٹا دینے کی ساز باز شروع کر دی۔

کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ کی ان سازشوں سے مسلمانوں کو ہر وقت مدینہ پر حملہ کا اندیشہ رہتا تھا اور رسول اللہ ﷺ اور بعض بہادر مسلمان ساری ساری رات پہرہ دیتے گزار دیتے تھے۔

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ مسلمان اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے کافروں کا مقابلہ کریں اور خدا

نے اپنی مدد کا انھیں یقین دلایا۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ	ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں لڑنے کا
ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ	حکم دیا گیا۔ کیونکہ ان پر ظلم ہوا۔ اور اللہ ان
لَقَدِیْرُ ن الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ	کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں
دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ	جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف
یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ۔	اس جرم میں کہ اپنا معبود خدا کو بتاتے ہیں۔

اسلامی شریعت میں اس قسم کی لڑائی کو "جہاد" کہتے ہیں اور جب تک دنیا رہتی دنیا تک ان پر فرض کیا گیا ہے۔

خداوند تعالیٰ کے اس حکم کے بعد مسلمانوں اور کافروں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ بعض لڑائیوں میں خود سرکارِ نامدار (صلی اللہ علیہ وسلم) شریک ہوئے اور بعض میں کسی تجربہ کار صحابی کو اپنی جگہ امیر بنا کر بھیج دیا۔)

جن لڑائیوں میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے انھیں "غزوہ" کہا جاتا ہے اور جن میں حضور شریک نہیں ہوئے انھیں "سرایا"۔ غزوات کی تعداد ۲۳ ہے اور سرایا کی ۴۳۔ ان تمام لڑائیوں میں خدا نے اپنے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو فتح دی۔ صرف غزوہ اُحد اور غزوہ حنین دو لڑائیوں میں مسلمانوں کو کچھ نقصان ضرور پہنچا۔ غزوہ اُحد میں اس لئے کہ انھوں نے رسول اللہ کے حکم کی تعمیل میں غفلت برتی اور غزوہ حنین میں اس لئے کہ انھیں اپنی طاقت پر گھمنڈ ہو گیا۔

اب ہم چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو چھوڑ کر صرف چند خاص خاص اور بڑی بڑی لڑائیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

غزوۂ بدرِ کبریٰ

یہ لڑائی ۲ھ میں کفارِ مکّہ اور مسلمانوں کے درمیان ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ مکّہ والے ہر سال تجارت کا سامان لے کر ملکِ شام جایا کرتے تھے۔ اسی تجارت پر ان کی جنگی طاقت کا دارومدار تھا۔ اس سال بھی ان کا قافلہ ملکِ شام گیا تھا۔ جب قافلہ لوٹتے ہوئے مدینہ کے قریب پہونچا تو مسلمانوں کی رائے ہوئی کہ اس پر حملہ کیا جائے تاکہ کافروں کی طاقت کی بنیاد ہی مسمار ہوجائے اور انھیں مسلمانوں پر حملہ کا موقع نہ ملے۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ ۳۱۴ جاں نثار مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے۔ اِدھر ابوسفیان کو بھی (جو قافلہ کے سردار تھے) مسلمانوں کے اس ارادہ کی کسی طرح خبر ہوگئی۔ انہوں نے فوراً ایک سوار کو مکّہ دوڑایا اور خبر دی کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کے لئے نکل آئے ہیں، فوراً مدد کو پہنچیں اور خود راستہ بدل کر اپنا قافلہ سمندر کے کنارے کنارے نکال لے گئے۔

مکّہ والے پہلے ہی سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ بس اپنے قافلہ کے واپس آنے کا انتظار تھا۔ انھیں جو یہ خبر ملی تو ۱۰۰۰ آدمیوں کا لشکرِ جرار پورے سازوسامان سے آراستہ ہوکر نکل کھڑا ہوا۔

صحابہؓ کا جوشِ ایمانی:۔

جب سرورِ عالم ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ تو نکل گیا ہے اور ان کی زبردست فوج مقابلہ کے لئے آرہی ہے تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ آگے

بڑھا جائے یا مدینہ لوٹ آیا جائے۔ بعض صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ چونکہ جنگ کے ارادہ سے نہیں نکلے ہیں اس لئے لوٹ جانا چاہیئے۔ آپؐ نے فرمایا "اے لوگو! خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ یا قافلہ ہمارے ہاتھ آئے گا اور یا ہمیں فتح نصیب ہوگی۔ چونکہ قافلہ نکل گیا ہے اس لئے فتح یقینی ہے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر وعمر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے اور کہنے لگے" یارسول اللہؐ خدا کی طرف سے جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی قوم کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہدیا تھا "موسیٰ تم اور تمہارا خدا جاکر لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

یہ جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دعا دی اور انصار کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "تم لوگ اپنی رائے ظاہر کرو۔" بات یہ تھی کہ انصار سے جو معاہدہ ہوا تھا اس میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ انصار اپنی بستی میں حضورؐ کی حفاظت کریں گے نہ یہ کہ وہاں سے نکل کر دوسروں پر حملہ کرنے میں بھی مدد دیں گے، اس لئے انصار سے ان کا ارادہ معلوم کرنا ضروری تھا۔

حضرت سعد بن معاذؓ سردار اوس آگے بڑھے اور کہا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم آپؐ پر ایمان لے آئے اور آپؐ کو خدا کا سچا نبی مان لیا پھر خدا آپ کو جو حکم دے کر گزریئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم خدا کی اگر آپ سمندر میں کود یں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں کود یں گے۔"

انصار کے اس جواب سے حضورؐ کا چہرۂ مبارک چمک اٹھا اور بہت خوش ہوئے[1]

---

[1] نورالیقین ۱۲۔

مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ایک مقام بدر ہے، وہیں قریش کی فوج اتری ہوئی تھی۔ سرکارِ نامدار ؐ نے اسی طرف کوچ کا حکم دیا اور وہاں پہنچ کر ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔

مقابلہ :۔

۱۷ رمضان ۲ ھ کو صبح کے وقت دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ ایک طرف ایک ہزار ساز و سامان سے آراستہ کافر تھے اور دوسری طرف ۳۱۴ بے سر و سامان مسلمان تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی صفوں کو درست کیا اور پھر خدا سے دعا مانگی " اے اللہ یہ قریش کے کافر غرور میں مست ہو کر آئے ہیں۔ تیری نافرمانی کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ جس مدد کا تو نے وعدہ کیا ہے اُسے پورا کر۔"

اس کے بعد پہلے ہر فریق کی طرف سے ایک ایک آدمی لڑنے کیلئے نکلا اور پھر دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور خدا کے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو زبردست فتح نصیب ہوئی۔

اس لڑائی میں قریش کے تقریباً ستر آدمی مارے گئے۔ جن میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل بھی تھا اور ستر ہی گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں کی جماعت میں سے صرف بارہ شہید ہوئے۔

صحابہؓ کی مختلف شانیں ہے۔

کافر قیدی جب مدینہ پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے ان کے بارے میں مشورہ فرمایا حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہر ایک کو اس کے مسلمان رشتہ دار کے ہاتھ سے قتل کرائیں تاکہ ایک طرف یہ اپنے کئے کی سزا کو پہنچیں اور دوسری طرف دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دل میں مشرکوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب خدا نے آپ کو ان پر فتح دی ہے تو ان پر رحم ہی کیجئے اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے تاکہ ہماری ضرورتیں پوری ہوں۔ اور ان کے لئے ہدایت حاصل کرنے کا موقع باقی رہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے ابوبکر تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے جنھوں نے فرمایا" اے خدا جس نے میری پیروی کی وہ میری جماعت میں سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو اس کو بخشنے والا اور اس پر رحم کرنے والا ہے۔" اور اے عُمر تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنھوں نے دعا مانگی " اے اللہ زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ۔" اور حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا[1]

چنانچہ جو مالدار قیدی تھے ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور جو غریب قیدی تھے ان سے کہا گیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔

---

[1] نور الیقین ۱۲

غزوۂ غطفان

یہ کوئی بڑا غزوہ نہیں ہے مگر اس میں ہمت و جرأت کا ایک سبق آموز واقعہ پیش آیا۔ اس لئے ہم اس کا ذکر کر رہے ہیں۔

۳ھ میں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے ۴۵۰ افراد دعثور بن الحارث کے ماتحت اس ارادہ سے نکلے کہ مدینہ پر ڈاکہ ماریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ بنی ثعلبہ اور بنی محارب کو مقابلہ پر آکر لڑنے کی ہمت نہ ہوئی اور پہاڑوں میں چھپ گئے۔ مسلمان لوٹ رہے تھے کہ راستہ میں بارش ہو گئی اور سب کے کپڑے بھیگ گئے۔ اور جب بارش رکی تو سب نے اپنے اپنے کپڑے سکھانے کے لئے دھوپ میں پھیلا دیئے۔

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک طرف جا کر کپڑے پھیلا دیئے اور ایک درخت کے سائے میں تنہا آرام فرمانے لگے۔ دعثور کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا فلاں جگہ آرام فرما رہے ہیں، دبے پاؤں آکر تلوار کھینچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "اے محمد آج میرے ہاتھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا بھی ہراس نہ ہوا۔ اور نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا "اللہ تعالےٰ"

دعثور بڑا بہادر اور جری شخص تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے اس

پر دہشت طاری ہو گئی اور تھر تھر کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

حضورؐ نے وہ تلوار اٹھالی اور فرمانے لگے "دعثور اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے۔؟"

دعثور نے کہا "کوئی نہیں"۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے معاف کر دیا۔ آپؐ کے اس برتاؤ کا یہ اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم کو بھی مسلمان بنا لیا۔[1]

---

[1] حیات سید العرب ج ۱۔

غزوۂ اُحد

بدر کی شکستِ فاش سے کفارِ مکہ کے گھروں میں کہرام مچ رہا تھا۔ اور اُن کے دلوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ چنانچہ ایک سال تک تیاریاں کرنے کے بعد وہ تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر اپنے عزیزوں کے خون کا بدلہ لینے کے لئے نکلے۔

اس مرتبہ ان کے ساتھ اُن کی عورتیں بھی تھیں تاکہ مردوں کو لڑائی کے میدان میں غیرت دلائیں اور کچھ شاعر بھی تھے تاکہ ان کے رشتہ داروں کے مرثیے سُنا سُنا کر اُن کے جوش کو بھڑکائیں۔

یہ لشکر پوری شان و شوکت کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ منورہ کے قریب اُحد پہاڑ کی وادی میں ایک چشمہ کے کنارے اُترا۔

۱۴ شوال ۳ھ کو بعد نماز جمعہ سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار ساتھیوں کو لے کر باہر نکلے مگر تھوڑی دور ساتھ جا کر عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار اپنے تین سو ساتھیوں کو ساتھ لے کر واپس لوٹ گیا۔ اور صرف سات سو جاں نثار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے۔

بچوں کا شوقِ جہاد:۔

مدینہ سے باہر آ کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکرِ اسلام کا جائزہ لیا تو اس میں کچھ نوعمر بچے بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ساتھ لے جانا مُناسب نہ سمجھا اور بہلا پھسلا کر واپسی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر بچوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی طرح واپس جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ

رافع بن خدیج سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس جانے کیلئے کہا تو وہ پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ بڑے معلوم ہوں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو بڑا تیر انداز ہوں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع کو شرکت کی اجازت دے دی۔

سمرہؓ بن جندب بھی رافعؓ کے ہم عمر تھے لیکن وہ لڑائی میں شرکت سے روک دیئے گئے۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ رافعؓ کو اجازت مل گئی ہے تو بھاگے ہوئے آئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رافعؓ کو اجازت دی ہے تو مجھے بھی دیجئے۔ میں تو ان کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اچھا کشتی لڑو" چنانچہ کشتی ہوئی اور سمرہؓ نے رافعؓ کو پچھاڑ لیا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہؓ کو بھی اجازت دے دی[1]

جنگ:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کو پیٹھ پیچھے رکھ کر اپنی فوج کی صف بندی فرمائی مگر چونکہ پہاڑ کے ایک درہ سے دشمنوں کے حملے کا خوف تھا اس لئے عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں ۵۰ تیر اندازوں کی ایک جماعت درہ کی حفاظت کے لئے متعین فرما دی اور انھیں ہدایت کر دی کہ خواہ ہم لوگ جیتیں یا ہاریں، تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔

اس کے بعد دونوں طرف کی فوجیں آگے بڑھیں اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ کافر اگرچہ مسلمانوں سے کئی گنے تھے مگر مسلمانوں کے تابڑ توڑ

---

[1] نور الیقین ۱۲

حملوں کی تاب نہ لاسکے اور اپنا سازوسامان چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلے۔ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئے۔ عبداللہ بن جبیر کے دستے نے جب دیکھا کہ ان کے ساتھی مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں تو وہ بھی درّہ کو چھوڑ کر مالِ غنیمت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ عبداللہ بن جبیر نے انھیں روکنے کی کوشش بھی کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یاد دلائی مگر انھوں نے کہا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم تو لڑائی کے وقت کے لئے تھا۔ اب لڑائی ختم ہوچکی۔ ہم یہاں کھڑے ہوکر کیا کریں؟ خود عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہیں کھڑے رہے۔

فتح کے بعد شکست :۔

خالد بن ولید (جو اس وقت کافروں کے ایک دستہ کے سردار تھے) نے جب دیکھا کہ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں اور درّہ کا راستہ خالی ہے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے درّہ سے نکل کر مسلمانوں پر پشت کی طرف سے حملہ کردیا درّہ کے محافظ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں نے مقابلہ کیا مگر سب شہید ہوگئے۔

اسی دوران میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے۔ اس خبر سے مسلمانوں کی فوج میں سخت ابتری پھیل گئی۔

مسلمان ادھر اُدھر منتشر ہو گئے اور سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ چند فدا کاروں کی جماعت رہ گئی۔ کافر موقع دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے اور پے در پے حملے کرنے شروع کر دیئے مگر ساتھیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور سپر بن کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ماہر تیر انداز تھے، انھوں نے کافروں پر اس کثرت سے تیر برسائے کہ ترکش خالی کر دیئے۔ آپ تیر پھینکتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے یارسول اللہ میرے ماں اور باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ جب تک میرا سینہ موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کافر کا تیر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی پشت کافروں کی طرف کرکے، جھک کر کھڑے ہو گئے تاکہ جو تیر آئے وہ آپ کی پشت پر پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے۔

حضرت زیادہ بن حارث رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں لڑ رہے تھے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھیں میرے پاس لاؤ اور قدم مبارک پر ان کا سر رکھ لیا اور اسی حالت میں انھوں نے جان دے دی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کر رہے تھے۔ لڑائی کے بعد جب گِنا گیا تو اُن کے جسم پر ستر سے زیادہ زخموں کے نشان تھے۔[1]

---

[1] نورالیقین ۱۲

ابو عامر راہب ایک کافر نے ایک گڑھا کھود کر اسے ڈھک دیا تھا۔ حضورؐ کا قدم مبارک اس پر پڑا تو آپؐ اس میں گر گئے اور بیہوش ہو گئے۔ گرنے سے حضورؐ کے گھٹنے چھل گئے تھے اس لئے حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت طلحہؓ نے آپؐ کو اس میں سے نکالا۔ مگر جونہی آپؐ باہر نکلے ایک کافر نے آپؐ کے رُخِ انور پر پتھر مارا جس سے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور ایک دوسرے کافر نے آپؐ پر تلوار کے کئی وار کیے جس سے حضورؐ کی خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے۔

بعض جاں نثاروں نے خدا کے حبیبؐ کو خون میں شرابور دیکھا تو بے چین ہو گئے۔ کہنے لگے، یا رسول اللہؐ! اب کس بات کا انتظار ہے۔ اب تو کافروں کے لئے بددعا کیجئے۔ مگر حضورؐ نے جواب دیا، میں مخلوق کو خدا کی رحمت سے دور کرنے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ سرتا پا رحمت بن کر آیا ہوں اور پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، کیونکہ یہ مجھے نہیں پہچانتے۔[1]

اسی حالت میں کعبؓ بن مالک انصاری کی نگاہ آپؐ پر جا پڑی تو انھوں نے چیخ کر کہا مسلمانو! مژدہ ہو کہ سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

یہ خبر سن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور ہر طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے۔ رسول اللہؐ کچھ صحابہؓ کو اپنے ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ سب مسلمانوں کو حضورؐ کے زندہ سلامت ہونے کا علم ہو جائے۔

---

[1] محمد رسول اللہ۔

حضورؐ کو پہاڑ پر چڑھتے دیکھ کر دشمن بھی پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایک شخص اُبَیّ بن خلف جوش میں چیخ کر کہنے لگا کہ میں آج محمدؐ کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ حضورؐ نے صحابہؓ سے کہا کہ اسے آنے دو' جب پاس آیا تو آپؐ نے اس کے ایک نیزہ مارا جس سے اس کے کاری زخم لگا اور وہ مکہ کو جاتے ہوئے راستے ہی میں مر گیا۔ یہی وہ بدنصیب تھا جسے سرکارِ نامدارؐ نے اپنے ہاتھ سے مارا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو اپنے ہاتھ سے مارنا پسند نہ کیا۔

حضورؐ پُرنور کی شہادت کی خبر مدینہ بھی پہنچ گئی تھی۔ اس لئے بہت سی عورتیں گھبرا کر گھروں سے نکل کھڑی ہوئیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ زہراؓ بھی میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پانی ڈالا اور انھوں نے حضورؐ کے چہرۂ مبارک سے خون دھو کر چٹائی کی راکھ زخم میں بھر دی۔

اس طرح یہ لڑائی جس میں مسلمانوں کو کھلی ہوئی فتح حاصل ہوئی تھی' چند آدمیوں کی غفلت کی وجہ سے جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پورے طور پر تعمیل نہ کی اور اپنے افسر کے کہنے کو نہ مانا' شکست میں تبدیل ہو گئی۔

اس لڑائی میں ۲۲ کافر مارے گئے اور ستّر مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں سرکارؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ بھی تھے۔ آپ کی شہادت کا رسول اللہؐ کو بہت رنج ہوا۔ ایک تو وہ آپؐ کے شفیق چچا تھے

اور دوسرے کافروں نے آپ کی لاش کا بُری طرح مسخ کیا تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے پہلے آپ کے ناک اور کان جسم سے جدا کئے اور پھر پیٹ چاک کر کے جگر چبا ڈالا۔

غزوۂ حمراء الاسد

مدینہ میں پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ کہیں مشرکین اپنی فتح کے جوش میں مدینہ پر حملہ نہ کردیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو کوچ کے لئے تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ یہ زخمی شیر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کر کے بے تکلف راہِ خدا میں جان دینے کے لئے چل کھڑے ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر مقام حمراء الاسد میں جاکر قیام کیا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال صحیح تھا۔ کفارِ مکہ مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے لوٹ رہے تھے، ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ مسلمان کل کی شکست سے دل شکستہ اور زخمی بدن پڑے ہوں گے، وہ ہمارا مقابلہ نہ کرسکیں گے اور ہم مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ خود کافروں کا پیچھا کرنے کے لئے مدینہ سے نکل چکے ہیں تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ سیدھے مکہ واپس چلے جائیں اور اپنی فتح کو شکست سے نہ بدلیں۔ چنانچہ وہ مکہ واپس چلے گئے۔

حضرت خبیبؓ اور انکے ساتھیوں کی قربانی

صفر ۴ھ کا واقعہ ہے کہ قبیلہ خزیمہ کے چند آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری قوم کے کچھ آدمی مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ چند صحابیوں کو ہمارے ساتھ کردیجئے تاکہ وہ انھیں قرآن سکھادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن ثابت انصاریؓ کو سردار بنا کر چند صحابی ان کے ساتھ کردیئے۔

جب مقام رجیع میں پہنچے تو اِن لوگوں نے صحابہؓ سے غداری کی اور سفیان بن خالد ہذلی (جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو گیا تھا) کی قوم ہذیل کو خبر دے کر ان کے دو سو آدمی بلوالئے۔

صحابہؓ کی جماعت کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے پکڑنے کے لئے قوم ہذیل کے آدمی آگئے ہیں تو وہ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ کافروں نے ان سے قسمیں کھا کر کہا کہ تم لوگ نیچے اتر آؤ ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں سے تین آدمی تو ان کے دھوکے میں آگئے۔ جنہیں انھوں نے پکڑ کر قید کرلیا۔ اور باقی لڑ کر شہید ہو گئے۔

جو تین مسلمان کافروں کے ہاتھوں میں قید ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے تو راستے میں موقع پاکر مقابلہ کیا اور شہید کردیئے گئے۔ اور باقی دو حضرات خبیبؓ اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں نے مکہ لاکر قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔

حضرت خبیبؓ "ماویہ" نام کی ایک عورت کے گھر میں قید تھے وہ کہتی ہے کہ جب خبیب پچھلی رات کو قرآن مجید پڑھتے تو پاس پڑوس کی عورتیں جمع ہو جاتیں اور بے اختیار رونے لگتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی شان:۔

کچھ عرصہ بعد جب اشہر حرم (وہ مہینے جن میں کشت و خون کو جائز نہیں سمجھا جاتا) گزر گئے تو حضرت خبیبؓ کو قتل کرنے کے لئے مکہ سے باہر ایک میدان میں لے گئے۔ شہادت سے پہلے انھوں نے کافروں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ نماز پڑھی اور کچھ دیر دعا مانگی۔ پھر فرمانے لگے اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر سے دیر لگا رہا ہوں تو کچھ دیر اور دعا مانگتا۔ یہ فرما کر آپ اٹھے اور ہنسی خوشی سولی پر چڑھ گئے۔

جب آپ شہید کیئے جانے لگے تو چند کافروں نے کہا اے خبیبؓ اگر تم بچ جاؤ اور تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کیے جائیں تو کیا تم اسے پسند نہ کرو گے۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ لاحول ولا قوۃ! میں تو اپنے آقا و مولیٰ کے پاؤں میں کانٹا چبھنا، اپنی گردن پر چھری چلنے سے زیادہ سمجھتا ہوں۔

یہ جواب سن کر سب کافر حیران رہ گئے اور ابوسفیان (جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے) یہ جواب سن کر کہنے لگے، میں نے کسی شخص کے ساتھیوں کو اس سے اتنا محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو ان سے محبت کرتے دیکھا ہے۔

اس کے بعد حضرت خبیب رضؓ کو کافروں کے نعرہ ہائے مسرت کی گونج میں شہید کر دیا گیا۔ جس وقت آپ کی روح پرواز کر رہی تھی زبان پر یہ اشعار تھے:-

جب میں دین اسلام پر مر رہا ہوں تو مجھے پرواہ نہیں کہ میں راہِ خدا میں کس پہلو پر گرتا ہوں۔ اگر خدا چاہے تو وہ قطع کئے ہوئے ہر ہر عضو پر اپنی برکت نازل فرما سکتا ہے۔

حضرت خبیب رضؓ کی طرح حضرت زید رضؓ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ اور آپ سے بھی اسی قسم کے سوال و جواب ہوئے۔[1]

---

[1] محمد رسول اللہ۔

غزوۂ خندق

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ کے آس پاس بسنے والے یہودی قبیلے مسلمانوں کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ انہیں مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق اور اسلام کا عروج و ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ مگر سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت وقت سمجھ کر مدینہ آتے ہی ان سے معاہدے کر لئے تھے مگر یہودی اپنے دل کے جلاپے سے مجبور تھے، معاہدے ہو جانے کے بعد بھی وہ چپکے چپکے سازشوں میں مصروف رہتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی مخالفتوں کا کوئی موقع چھوڑتے نہ تھے۔

یہاں تک کہ ایک مرتبہ یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا کر شہید کرنے کی سازش کی لیکن خداوندِ تبارک و تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا اور آپ اس سازش کا شکار ہونے سے بال بال بچ گئے۔

بنی نضیر کی اس حرکت کی سزا دینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فوج کشی کی۔ یہودی قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب دو ہفتے گزر گئے تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انھیں مدینہ چھوڑ کر نکل جانے کی اجازت دی جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور یہ لوگ کچھ خیبر میں جا بسے اور کچھ ملک شام میں آباد ہو گئے۔ جلاوطن ہونے کے بعد یہودیوں کے دل کی کسک اور بڑھ گئی اور انھوں نے طے کر لیا کہ مسلمانوں کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ چنانچہ ان کے چند سردار مکہ پہونچے اور کفارِ مکہ کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔ پھر قبیلۂ غطفان کے

پاس پہونچے اور انھیں بھی ساتھ ملایا اور آخر میں قبیلہ بنی قریظہ کے یہودی بھی جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا ان کے ساتھ مل گئے اس طرح یہود اور مشرکین کا ۲۴ ہزار کا زبردست لشکر مدینہ پر حملے کے لئے روانہ ہوا۔

مسلمان تعداد میں بہت کم تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ مدینہ کے نواح میں جس طرف سے دشمن کے حملہ کا اندیشہ ہے اس طرف خندق کھود لی جائے اور مسلمان خندق کے اندر رہ کر جنگ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی لشکر اسلام کے سب سپاہی پھاوڑے لے لے کر جٹ گئے اور پانچ ہاتھ گہری خندق کھود لی گئی پھر مدینہ سے نکل کر خندق سے ادھر تین ہزار مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کرلیں۔

عرب والوں کے لئے خندق ایک نئی چیز تھی۔ کافروں کو مسلمانوں کی اس تدبیر پر بڑا تعجب ہوا۔ دست بدست لڑائی تو ہو نہ سکتی تھی۔ اس لئے تیراندازی کا مقابلہ ہوتا رہا۔

یہ مقابلہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ کافروں نے کوشش کی کہ کسی طرح خندق کو پار کرکے مسلمانوں پر حملہ کریں مگر یہ ممکن نہ ہوسکا۔ ایک دن قریش کے چند جوشیلے نوجوان گھوڑے دوڑاتے ہوئے خندق کو پار کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے مگر ان میں سے ایک شخص جو خندق کو پار کر گیا تھا قتل کردیا گیا۔ ایک خندق میں گر کر مر گیا، باقی بھاگ گئے۔

جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے کافروں کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ ۲۴ ہزار کے لشکر کے لئے کھانے پینے کا انتظام آسان نہ تھا۔ ایک طرف کھانے پینے کا سامان ختم ہورہا تھا اور ان کے جانور بھوکے مرے جارہے تھے۔ دوسری طرف اللہ تعالےٰ نے آندھیوں کے جھکڑ چلادیئے جس سے اُن کے خیموں کی چوبیں اکھڑی جاتی تھیں۔ اور چولھوں پر ہانڈیاں اوندھی ہوئی جاتی تھیں، اسی دوران میں غطفان کے ایک معزز سردار نعیم بن مسعودؓ مسلمان ہوگئے اور ان کی تدبیر سے کافروں کے جتھوں میں تفرقہ پڑگیا۔ ان ناموافق حالات سے مجبور ہوکر کافروں کی جماعت نے ناکام اپنے گھروں کا رُخ کیا اور خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سخت آزمائش سے نجات دی۔ یہ واقعہ شوال ۵ھ کا ہے۔

بنی قریظہ کی بدعہدی کی سزا

اس لڑائی سے فارغ ہوتے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فوراً بنی قریظہ کی بستی کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ یوں تو یہ لوگ کئی مرتبہ عہد شکنی کر چکے تھے۔ مگر غزوہ خندق کے نازک موقعہ پر جبکہ مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھے ان لوگوں نے دشمنوں کا ساتھ دے کر اپنا اعتبار بالکل کھو دیا تھا۔ اور اب وہ کسی رعایت کے مستحق نہ تھے۔

لشکرِ اسلام نے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا اور یہ لوگ قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب ۲۵ دن اسی طرح گزر گئے اور بھوک کے مارے دم نکلنے لگا تو انھوں نے مجبوراً خود کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور درخواست کی کہ بنی نضیر کی طرح انھیں بھی کسی دوسرے ملک میں چلے جانے کی اجازت دی جائے مگر سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ کیا۔ پھر انھوں نے درخواست کی کہ ان کے معاملہ کا فیصلہ سردارِ اوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظور فرما لیا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے پرانے حلیف تھے، انہیں خیال تھا کہ سعد جہاں تک ممکن ہوگا ہمارے ساتھ رعایت و مروت کریں گے اور پرانے تعلقات کا خیال رکھیں گے۔ مگر صحابہ کرام کی نگاہوں میں اسلام کے فائدے کے مقابلہ میں تعلقات اور رشتہ داری کوئی چیز نہ تھی اس

لیے انھوں نے فیصلہ دیا کہ عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر جتنے مرد ہیں قتل کر دیے جائیں۔ چنانچہ سب بنی قریظہ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ [1]

حضرت صفیہؓ کی بہادری:۔

جنگِ خندق کے زمانے میں ایک مسلمان خاتون کی ہمت اور بہادری کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ یہ خاتون ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ ہیں۔

واقعہ یہ ہوا کہ جنگ کے زمانے میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے حضرت حسان بن ثابتؓ (جو سرکار کے درباری شاعر تھے) کے قلعہ میں بھیج دیے گئے تھے۔ ایک دن حضرت صفیہؓ نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کا چکر لگا رہا ہے۔ اور کچھ تاؤ بھاؤ لے رہا ہے۔ قرینے سے انھیں معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی جاسوس ہے۔ حضرت حسانؓ سے کہنے لگیں:۔ حسانؓ ذرا اس یہودی کو تو جا کر قتل کر دو۔ حضرت حسانؓ زبان کے مجاہد تھے، ہاتھ کے مجاہد نہ تھے۔ جواب دیا:۔ صفیہؓ تم تو جانتی ہو کہ میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں۔ یہ جواب پا کر حضرت صفیہؓ ایک لاٹھی لے کر خود روانہ ہو گئیں۔ اور پاس پہنچ کر اس زور سے یہودی کے سر پر رسید کی کہ اس کا بھیجا نکل گیا واپس آ کر حضرت حسانؓ سے پھر کہا۔ حسانؓ! ذرا اس کافر کے ہتھیار تو اتار لاؤ۔ حضرت حسانؓ بولے۔ اے عبد المطلب کی بیٹی مجھے ہتھیاروں کا کیا کرنا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت صفیہؓ پھر گئیں اور اس یہودی کے ہتھیار اتار لائیں اور اس کا سر کاٹ کر یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔ [2]

---

[1] حیات سیدالعرب۔ [2] محمد رسول اللہ ۱۲

صلح حدیبیہ

ذی قعدہ سنہ ۶ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ خانۂ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ نبیوں کا خواب بھی ایک قسم کی وحی الٰہی ہوتی ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غیبی اشارہ سمجھ کر عُمرہ (زیارت خانہ کعبہ) کی تیاری شروع کر دی اور عُمرہ کا احرام باندھ کر اور قربانی کے اونٹ لے کر ۱۵۰۰ انصار و مہاجرین کی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور مکّہ کے قریب "حُدیبیہ" میں جا کر اترے۔

قریش کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خبر ملی تو انھوں نے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ اور بُدیل بن ورقار خزاعی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا مقصد معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مقصد تھا وہ بیان کر دیا۔ چنانچہ بُدیل نے قریش سے آکر کہہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں۔ جنگ کے ارادہ سے نہیں۔

قریش نے بُدیل کی بات پر بھروسہ نہ کیا اور دوبارہ احابیش کے سردار حلیس علقمہ کو بھیجا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمان احرام کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور قربانی کی اونٹنیاں بھی ان کے ساتھ ہیں تو قریش سے جا کر سارا حال بیان کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ مسلمانوں کو روکنا مناسب نہیں ہے۔ یہ عمرہ کرنے آئے ہیں۔ کیا غضب ہے کہ دنیا بھر کے لوگ حج کر سکیں اور عبد المطلب کی اولاد کو اس کی اجازت نہ دی جائے مگر قریش نے حلیس کی بات بھی نہ مانی۔

تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت :-

پھر انھوں نے عروہ بن مسعود سردار طائف کو حضورؐ کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ لگائے اور اگر ممکن ہو تو کسی طرح انھیں واپسی پر رضامند کردے۔ عروہ نے حضورؐ سے کہا اے محمدؐ تم ان لوگوں کو لے کر اپنی قوم کو مٹانے آئے ہو۔ قریش نے عہد کرلیا ہے کہ وہ تم کو زبردستی مکہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھی قریش کے حملے کی تاب نہ لاکر تمہیں چھوڑ بھاگیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کو یہ سن کر غصہ آگیا اور ان سے جھڑپ ہوگئی۔

عروہ نے واپس جاکر قریش سے کہا:۔ اے قوم میں قیصر اور کسریٰ کے دربار میں بھی گیا ہوں اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں مگر جو شان میں نے محمدؐ کی دیکھی وہ کسی بادشاہ کی نہ دیکھی۔ ان کے ساتھی اُن کے وضو کے پانی کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے اور ادب کی وجہ سے ان کیطرف آنکھ اٹھاکر نہیں دیکھتے اور ان کے سامنے بلند آواز سے نہیں بولتے۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم ان سے نہ الجھو اور جس مقصد کے لئے آئے ہیں اُسے پورا کرلینے دو۔[1]

بیعتِ رضوان :-

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی، حضرت عثمان بن عفانؓ کو قاصد بناکر مکہ بھیجا تاکہ قریش کو رسول اللہؐ کے تشریف لانے

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲

کا مقصد بتادیں اور انہیں عمرہ میں رکاوٹ ڈالنے سے باز رکھیں مگر قریش نہ مانے اور حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر دیا۔

جب حضرت عثمانؓ واپس نہ آئے تو مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہم بغیر جنگ کئے نہ لوٹیں گے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابۂ کرام سے جان کی قربانی کا وعدہ لیا۔ اس وعدے کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے اس وعدہ پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔

صلح:-

اس واقعہ کی خبر جب مکہ پہنچی تو قریش ڈر گئے، انھوں نے حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا اور سہیل بن عمرو کو اپنی طرف سے صلح کا پیغام دے کر بھیجا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ لڑائی کا پہلے ہی نہ تھا۔ اس لئے مختصر گفتگو کے بعد ان شرطوں پر صلح ہو گئی۔

(۱) دس سال تک مسلمانوں اور قریش میں لڑائی نہ ہوگی۔

(۲) جو قبیلہ مسلمانوں سے معاہدہ کرنا چاہے ان سے معاہدہ کرے اور جو قریش سے معاہدہ کرنا چاہے اُن سے معاہدہ کرے۔

(۳) اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس

چلا جائے تو اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

(۴) اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ جائیں۔ آئندہ سال آئیں مگر سوائے تلوار کے جو میان میں ہوگی کوئی ہتھیار نہ لائیں، تین دن مکّہ میں رہیں اور عمرہ کرکے واپس چلے جائیں۔

ان شرطوں میں سے تیسری شرط مسلمانوں کو ناگوار گزری۔ چنانچہ بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے اس ناگواری کا اظہار بھی کیا لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو چھوڑ کر کافروں میں جا ملے گا اس کا دور ہو جانا ہی بہتر ہے اور جو انہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آئے گا اور ہم اسے لوٹا دیں گے تو خدا اس کے چھٹکارے کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر ہی دے گا۔

صلح کے بعد مسلمانوں نے اپنے بال ترشوائے، احرام کے کپڑے اتارے اور قربانیاں کیں اور مدینہ کو واپس ہو گئے۔

فتح اور شکست:-

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمان اس صلح کی شرطوں کو پسند نہ کرتے تھے اور انہیں اپنی کمزوری سمجھتے تھے۔ چنانچہ صلح نامہ کی تکمیل ہو جانے کے بعد بھی احرام کھولنے پر اس وقت تک تیار نہ ہوئے جب تک کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا احرام نہ کھول دیا۔ مگر خداوند تعالٰی نے اس صلح کو "فتح" کا نام دیا اور درا صل یہ صلح فتح ہی ثابت ہوئی اب تک کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے اور ان کے مذہب کو سمجھنے اور ان کے اخلاق کو پرکھنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اب جو صلح ہوئی اور کافر مدینہ میں آزادانہ آنے جلنے لگے تو انہیں یہ موقع ملا اور وہ اسلام کی خوبیاں دیکھ کر خود بخود مسلمان ہونے لگے۔ دوسرے قریش کی طرف سے اطمینان اور راستوں میں امن ہو جانے کی وجہ سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے ملکوں میں بھی اسلام کا پیغام پہونچانے کا موقع ملا۔ چنانچہ سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں اور سرداروں کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے جن میں سے کئی خوش نصیب بادشاہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی قبول کی اور اس طرح اسلام کی قوت و عظمت میں کافی اضافہ ہو گیا۔

بادشاہوں کے نام خطوط

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا بلاوا دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام مبارک کی ایک مہر بنوائی۔ یہ مہر چاندی کی تھی اور اس پر محمد رسول اللہ کھدا ہوا تھا۔ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ عبارت اس طرح تھی کہ نیچے کی سطر میں "محمد" درمیانی سطر میں "رسول" اور اوپر کی سطر میں "اللہ" حال ہی میں حضور پرنور صلعم کا ایک فرمان ملا ہے اس سے حدیثوں کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔[1]

جب آپ کسی بادشاہ کو خط بھیجتے تو یہ مہر لگا دیا کرتے تھے۔

شہنشاہِ روم کے نام:-

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ شہنشاہ روم کے پاس دعوتِ اسلام کا خط بھیجا۔ شہنشاہ اس زمانے میں زیارت کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے وہیں اس خط کو پہنچایا۔

اسی زمانہ میں قریش کا ایک گروہ، ابوسفیان کی سرداری میں تجارت کے لئے ملکِ شام آیا ہوا تھا۔ شہنشاہ نے ان لوگوں کو دربار میں بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان سے کچھ سوالات کئے۔ ابوسفیان اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر ان کے جوابات سے قیصر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی

---

[1] محمد رسول اللہ۔

کا یقین ہو گیا۔ اس نے بھرے دربار میں کہا مجھے یقین ہے کہ محمدﷺ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ خدا کے آخری پیغمبر پیدا ہونے والے ہیں، مگر یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوں گے۔ اے اہلِ عرب! اگر تمہارے یہ جوابات صحیح ہیں تو میں بتاتا ہوں کہ ان کا دین ترقی کریگا اور وہ میرے قدموں کے نیچے کی زمین پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تو ضرور حاضر ہوتا۔

قیصر کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر اس کے درباری مخالفانہ نعرے لگانے لگے اور وہ اس وقت خاموش ہو گیا۔

پھر جب وہ "حمص" پہونچا تو اس نے سردارانِ روم کو اپنے محل میں جمع کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو دروازے بند کرا دیئے اور اپنے سرداروں سے کہنے لگا:۔

اے روم کے سردارو! اگر تم ہدایت اور کامیابی چاہتے ہو، اور اپنی سلطنت کی پائیداری چاہتے ہو تو میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم نبی عربیﷺ کا دین قبول کر لو۔

قیصر کی زبان سے یہ لفظ سُن کر سردار جنگلی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ لیکن دروازے پہلے ہی بند تھے اس لئے نکل نہ سکے۔

قیصر نے جب اپنے سرداروں کی نفرت کا یہ حال دیکھا تو اسے سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر ہوا اور اس نے اپنی بات کو پلٹ دیا۔ اور کہنے لگا:۔

اے سردارو! تم میری بات کو سچ سمجھنے لگے، میں تو اپنے مذہب پر تمہاری پختگی کا امتحان کرتا تھا[1]

---

[1] نور الیقین۔

شہنشاہ ایران کے نام :-

عبد اللہ بن حذافہ، شہنشاہ ایران کے پاس حضورؐ کا خط لے کر گئے اس مغرور نے حضورؐ کا خط پُرزے پرزے کر دیا جب حضورؐ کو خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے اس کی سلطنت کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ حضورؐ کا کہنا سچ ہوا۔ ایران کی یہ عظیم سلطنت بہت جلد دنیا کے نقشہ سے مٹ گئی۔

اس گستاخ نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ یمن میں اپنے گورنر باذان کو لکھا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اُسے پکڑ کر میرے پاس بھیج دو! باذان نے اس مقصد کے لئے حضورؐ کے پاس دو آدمی بھیجے۔ جب یہ آدمی حضورؐ کی خدمت میں پہونچے تو آپؐ نے ان سے فرمایا۔ باذان سے کہہ دو کہ تمہارا شہنشاہ تو مارا گیا۔ باذان کے آدمی جواب لے کر لوٹ آئے۔ ادھر باذان کے پاس یہ آدمی پہونچے ادھر نئے بادشاہ "شیرویہ" کا قاصد خط لے کر پہونچا جس کا مضمون یہ تھا۔

ہم نے اپنے باپ پرویز کو اس کے ظلموں کی وجہ سے قتل کر دیا ہے اب تم اپنے ملک میں میری بیعت لو۔ اور جن صاحب کو میرے باپ نے حجاز سے بلوایا تھا ان سے تعرض نہ کرو۔

باذان نے حضورؐ کے اس کھلے معجزے کو دیکھ کر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اور اس کی تمام قوم بھی مسلمان ہو گئی [1]

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲ -

شاہِ حبش کے نام :-

حضور پر نور ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کے ہاتھ نجاشی شاہ حبش کے نام خط بھیجا۔ نجاشی کو مہاجرین حبش کے ذریعہ پہلے ہی اسلام کی خوبیاں معلوم ہو چکی تھیں۔ حضور ﷺ کے نامۂ مبارک کی تعظیم کے لئے تخت سے نیچے اتر آیا اور ادب سے لے کر آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہو گیا۔

اس نے اپنے بیٹے "ارہان اصحم" کو بھی حضور ﷺ کی خدمت میں ساٹھ آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا اور کہلا بھیجا یا رسول اللہ[1] اگر میں حاضر ہو سکتا تو خود حاضر ہوتا۔

نجاشی کا جب انتقال ہوا تو خداوند تعالےٰ نے درمیانی پردے اٹھا دیئے اور سرکارِ نامدار ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی۔

شاہِ مصر کے نام :-

سرکارِ نامدار ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس شاہِ مصر کے پاس خط دے کر بھیجا۔ مقوقس نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن آپ ﷺ کے نامۂ مبارک کی بڑی تعظیم کی۔ اسے سینے سے لگا کر ہاتھی دانت کی ڈبیا میں محفوظ کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف بھیجے۔ جن میں کئی باندیاں، غلام، چوپائے اور دوسری قیمتی اشیاء شامل تھیں۔ ان کے علاوہ ایک حکیم صاحب بھی تھے۔ حضور ﷺ نے تمام تحفے قبول فرمالئے مگر حکیم کو یہ کہہ کر واپس فرما دیا کہ ہم لوگ خوب بھوک لگنے

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲۔

پر کھاتے ہیں اور جب کچھ بھوک باقی رہتی ہے تو اٹھ جاتے ہیں۔ اسلئے ہمیں حکیم صاحب کی ضرورت نہیں۔

مقوقس نے جو باندیاں بھیجی تھیں ان میں ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پسند فرمایا اور انہیں کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

دوسرے بادشاہوں کے نام:۔

ان کے علاوہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بُصریٰ۔ امیر دمشق۔ شاہ بحرین۔ شاہانِ عمان، شاہ یمامہ اور دوسرے بادشاہانِ عالم کے نام بھی دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا۔ اور بعض نے نہیں

جن بادشاہوں نے اسلام قبول کیا ان کے ملکوں میں تو اسلام پھیلا ہی مگر جن بادشاہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اُن کے ملکوں میں بھی اسلام کا چرچا ضرور ہو گیا۔ اور دعوتی خط بھیجنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہی تھا۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲ ۱۸۵۰ء میں حضور کا یہ نامہ مبارک ایک فرانسیسی عالم کو مصر کے ایک گرجا میں دستیاب ہوا، چنانچہ اب قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے (محمدؐ ص ۲۳۸) ۱۲۔

غزوۂ خیبر

سنہ ۷ھ میں صلح حدیبیہ سے فراغت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر چڑھائی کرنے کی تیاری کی۔ یہ وہی لوگ تھے جو غزوۂ خندق میں عرب قبیلوں کو مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف انھیں ابھارتے رہتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار چھ سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ خیبر میں یہودیوں کے بہت سے قلعے تھے۔ مسلمانوں نے ایک ایک کر کے سب قلعے فتح کر لیے۔ مسلمانوں سے مغلوب ہو کر یہودیوں نے درخواست کی کہ ہم آدھی پیداوار بطور خراج دیا کریں گے۔ ہمیں یہاں رہنے دیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو منظور فرمالیا مگر یہ شرط ٹھہرالی کہ جب ہم کہیں گے تمہیں یہاں سے چلا جانا ہوگا۔

اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت بہادری دکھائی۔ آپ کا مقابلہ یہود کے مشہور بہادر مرحب سے ہوا۔ مرحب لڑائی کے تمام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر بڑے غرور کے ساتھ نکلا اور حضرت علیؓ پر نیزہ سے حملہ کیا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال چھوٹ کر دور جا پڑی۔ پاس ہی ایک دروازہ پڑا تھا حضرت علیؓ نے فوراً اسے اٹھا لیا اور اس پر مرحب کے حملوں کو روک کر اس زور سے اس پر

تلوار کا وار کیا کہ پہلے اس کی ڈھال کو توڑا پھر اس کے خود کو توڑ کر اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عفو:۔

اسی لڑائی میں مرحب کی بہن زینب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت بھیجا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بوٹی کھا کر تھوک دی۔ لیکن ایک دوسرے صحابی بشرؓ بن براء جنھوں نے اسے کھا لیا تھا انتقال کر گئے۔

زینب جب پکڑی ہوئی آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی۔ میں نے آپ کو آزمانے کے لئے یہ حرکت کی تھی۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ آپ نبی ہوں گے تو آپ کو اس سے کچھ نقصان نہ پہونچے گا اور اگر نبی نہ ہوں گے تو ہم آپ سے چھٹکارا پا جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سُن کر اُسے معاف فرما دیا۔

تین سردارانِ مکہ کا قبولِ اسلام:۔

صلح حدیبیہ کے بعد ہی مکہ کے تین بہادر اور معزز سردار جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کافروں کے لشکر کی سالاری کی خدمت انجام دیتے رہے تھے مسلمان ہوئے۔ یہ سردار خالد بن ولید مخزومی۔ عمرو بن عاص اور عثمان بن ابی طلحہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] محمد رسول اللہ۔

ان کے اسلام لانے سے بڑی خوشی ہوئی اور آپؐ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا۔ مجھے تمہاری دانائی سے یہی امید تھی کہ تم بھلائی قبول کر کے رہو گے۔ حضرت خالدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ میرے ان لڑائیوں کے گناہ معاف کرے جن میں آپؐ کے خلاف لڑا ہوں۔ آپؐ نے جواب دیا، اسلام میں داخل ہونے کے بعد پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[1]

عمرۂ قضاء:۔

۷ھ میں صلح حدیبیہ کے اگلے سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پچھلے سال کے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کی قضا کے لئے نکلے۔

شرط صلح کے مطابق مسلمانوں نے اپنے ہتھیار مکہ سے باہر ہی چھوڑ دیئے اور صرف ایک تلوار باندھ کر حرم میں داخل ہوئے۔ کافر اس دوران میں مکہ سے باہر نکل گئے۔ اس طرح خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کو سچا کر دکھایا۔

سریۂ مُوتہ:۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغ اسلام کے لئے جو خطوط بھیجے تھے ان میں ایک امیر بُصریٰ شرجیل بن عمرو غسانی کے نام بھی تھا۔ اس ظالم نے حارث بن عمیر کو (جو خط لے کر گئے تھے) قتل کر ڈالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے تین

---

[1] نور الیقین۔

ہزار صحابہ کا ایک لشکر حضرت زید بن حارثہؓ کی سرداری میں روانہ کیا۔ اس لشکر کو روانہ کرتے وقت آپؐ نے جو ہدایتیں فرمائیں وہ آج کل کے مہذب سپہ سالاروں کے لئے سبق حاصل کرنے کے قابل ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ملکِ شام میں تم کچھ لوگوں کو گرجاؤں میں گوشہ نشین پاؤ گے، تم ان سے نہ الجھنا۔

کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔

کسی بچہ پر ہاتھ نہ اٹھانا۔

کسی بوڑھے کو نہ ستانا۔

کسی درخت کو نہ کاٹنا۔

جب لشکر اسلام ملکِ شام میں مقام "موتہ" میں پہونچا تو وہاں دو لاکھ شامی اور رومی عیسائیوں سے مقابلہ ہوا۔ سردار لشکر حضرت زیدؓ شہید ہو گئے تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سردار بنائے گئے۔ حضرت جعفرؓ نے بڑی بہادری دکھائی۔ لڑتے لڑتے جب ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں اسلامی جھنڈا اٹھالیا۔ جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو گود میں لے لیا اور اسی حال میں شہادت پائی۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ سردار بنائے گئے۔ لیکن انھوں نے بھی شہادت پائی۔ پھر حضرت خالد بن ولید اسلامی لشکر کے سردار بنائے گئے۔ آپ نے اپنی جنگی تدابیر سے عیسائیوں کو شکست دی اور اسلامی لشکر کو کامیاب لوٹا لائے۔

لشکر کے واپس آنے سے قبل ہی خداوند تعالےٰ نے وحی کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر دے دی چنانچہ

آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا:-

پہلے زیدؓ نے جھنڈا اٹھایا اور شہید ہو گئے۔ پھر جعفرؓ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ابن رواحہؓ نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر خدا کی ایک تلوار نے جھنڈے کو بلند کیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے[1]

یہ واقعہ ۸ھ کا ہے۔

---

[1] نور الیقین ۱۲۔

فتحِ مکّہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کفارِ مکّہ کے درمیان حُدیبیہ کے مقام پر جو صلح ہوئی تھی وہ زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اور جب انھوں نے خاص حرم میں پناہ لی تو وہاں بھی انہیں نہ چھوڑا اور بے دھڑک قتل کیا۔

"قبیلہ خزاعہ کے چند سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت لے کر پہنچے، اور مسلمانوں سے قریش کی اس زیادتی کا بدلہ لینے کی درخواست کی۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

لشکر اسلام نے "مَرُّ الظہران" پہنچ کر قیام کیا۔ قریش کو جب خبر ملی کہ مُسلمان ان کے سر پر آ پہونچے ہیں تو ان کے سب سے بڑے سردار ابو سفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس خبر کی تحقیق کے لئے نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ جنگل انسانوں سے پٹا پڑا ہے اور ساری فضا آگ کے شعلوں سے جگمگا رہی ہے۔ وہ اس قدر تعداد میں مسلمانوں کو دیکھ کر سہم گئے۔ اور ہکّے بکّے کھڑے رہ گئے۔

اسی حالت میں اسلامی لشکر کے پہرے داروں نے انہیں دیکھ لیا، پکڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت

عمرؓ فاروق نے ابوسفیان کی صورت دیکھتے ہی تلوار میان سے نکال لی اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے کہ آج اس خدا کے دشمن کی گردن اڑا دوں۔ مگر حضرت عباسؓ کی سفارش پر رحمت عالم ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا۔ رات بھر ابوسفیان حضرت عثمانؓ کے خیمے میں رہے دوسرے دن صبح کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے لہجہ میں پوچھا۔ ابوسفیان! کیا خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں اب بھی کچھ تامل ہے۔ ابوسفیان نے ندامت کے ساتھ گردن جھکالی اور کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ کے رحم وکرم کے قربان، میں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔[۱]

مکہ میں داخلہ:۔

آخر کار وہ وقت آگیا کہ "فتحِ مبین" کا خداوندی وعدہ پورا ہو۔ خدا کا وہ رسول ﷺ جو کافروں کے نرغے سے نکل کر رات کی تاریکی میں ایک رفیق کے ساتھ مکہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا۔ دس ہزار فدائیوں کے جھرمٹ میں دو بارہ مکہ میں داخل ہو رہا ہے۔ داخلہ کی شان یہ تھی کہ ہر ہر قبیلہ اپنے اپنے سردار کے پیچھے اپنا اپنا جھنڈا اٹھائے چلا آرہا تھا۔ سب سے پیچھے انصار ومہاجرین کے گروہ میں شہنشاہِ مدینہ ﷺ تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ اپنی سواری قصواء پر اپنے غلام حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ سوار تھے۔ آپ ﷺ کی گردن ربّ العزت کی درگاہ میں جھکی ہوئی تھی اور آپ ﷺ انکسار کے طور پر فرمارہے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ اے میرے اللہ آخرت کی زندگی ہی اصلی زندگی ہے[۲]

---

[۱] محمد رسول اللہ۔

۲۰ رمضان ۸ھ کو جمعہ کے دن حضور پر نورؐ مکہ کے بالائی حصہ سے شہر میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص خانۂ کعبہ میں پناہ لے وہ مامون ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ بھی مامون ہے اور جو اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اور مقابلہ نہ کرے وہ بھی مامون ہے۔ اسلامی لشکر کی یہ شان و شوکت دیکھ کر کفار مکہ پر رعب چھا گیا۔ سوائے چند لوگوں کے جن کا خالد بن ولیدؓ سے مقابلہ ہوا کوئی سامنے نہ آیا اور اس طرح مکہ نہایت امن و سکون کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

کعبہ کی صفائی:۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے خانۂ کعبہ میں پہنچے اور حجر اسود کو بوسہ دے کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ لشکر اسلام نے بھی نعرہ ہائے تکبیر بلند کیۓ اور اس زور و شور سے کہ سارا مکہ گونج اٹھا۔ مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ لگاتار نعرے بلند کیے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس وقت تک نہ رُکے جب تک خود سرکار نامدارؐ نے انہیں نہ روکا۔ اس کے بعد آپؐ نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ کعبہ کے چاروں طرف ۳۶۰ بُت رکھے تھے۔ اس وقت آپؐ کے ہاتھوں میں ایک لکڑی تھی۔ آپؐ اس سے ایک ایک بُت کو گراتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "سچائی کا ظہور ہوا"۔ پھر آپؐ خانۂ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ وہاں دیواروں پر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں انہیں مٹوا دیا۔ جو بُت رکھے ہوئے تھے انہیں نکلوا دیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت :-

ان امور سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحنِ کعبہ میں تشریف فرما ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ اس وقت کفارِ مکہ کے دل دھڑک رہے تھے اور قدم کانپ رہے تھے کہ دیکھئے کہ آج ہمیں ہمارے کرتوتوں کی کیا سزا ملتی ہے۔

آپ نے کفارِ مکہ کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے قریش آج تم مجھ سے کس قسم کے برتاؤ کی امید رکھتے ہو؟ ایک زبان ہو کر کہا۔ ہمیں آپ سے بھلے برتاؤ کی ہی امید ہے، آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔

رسول اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم و کرم کی یہ شان دیکھ کر کفارِ مکہ آپ کے قدموں پر گر پڑے اور قریب قریب تمام مکہ والے اسی دن مسلمان ہو گئے۔[1]

کافروں میں سے ایک شخص جب آپ کی طرف بڑھا تو رعب سے اس کے بدن پر لرزہ چھا گیا اور اس کے قدم ڈگمگانے لگے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے درد بھرے لہجے میں اس سے فرمایا۔ بھائی ڈرو مت! میں بھی قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔[2]

---

[1] نور الیقین ۱۲۔

[2] دروس التاریخ ۱۲۔

فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والوں میں سے یہ لوگ قابلِ ذکر ہیں۔ ابوسفیان بن حرب، معاویہ بن ابی سفیان، حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ اور ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

عہد کی پابندی:۔

جب مکہ فتح ہوگیا تو انصار میں سے بعض کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب حضور ﷺ اپنے وطن تشریف لے آئے ہیں اور آپ ﷺ کے خاندان والے سب مسلمان ہو گئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اب حضور ﷺ ہمیں چھوڑ دیں اور یہیں قیام فرمالیں۔

انصار کے اس اندیشے کی حضور ﷺ کو بھی کسی طرح خبر ہوگئی۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں میری طرف سے کچھ اندیشہ ہے۔ پہلے تو انصار نے چھپانے کی کوشش کی مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار فرمایا تو انہوں نے کہہ دیا ہمیں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب اپنے خاندان میں قیام نہ فرمالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ اللہ! کہیں یہ ہوسکتا ہے۔ میری زندگی اور موت تم لوگوں کے ساتھ ہے [1]

---

[1] حیاۃ سید العرب ۱۲

غزوۂ حُنین

مکّہ اور طائف کے درمیان بنی ثقیف اور ہوازن کے دو قبیلے آباد تھے۔ یہ بہت بہادر اور سرکش قبیلے تھے۔ جب انہیں "فتح مکّہ" کی خبر ملی تو بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے سوچا کہ اب تک تو محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم قریش سے مقابلہ کی وجہ سے ہماری طرف رُخ کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ قریش سے فارغ ہو جانے کے بعد اب وہ ہماری خبر لیں گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم خود ہی ان پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ یہ دونوں قبیلے اپنی پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکّہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے اس ارادہ کی اطلاع ملی تو بارہ ہزار کا لشکر لے کر آپ بھی ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں دس ہزار انصار و مہاجرین تھے۔ دو ہزار فتح مکّہ کے نومسلم اور اسّی کافر بھی تھے، جو مالِ غنیمت کے لالچ میں مسلمانوں کے ساتھ ہو لئے تھے۔

اس زبردست لشکر کی شان و شوکت کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کو گھمنڈ پیدا ہوا اور ان کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ اس لڑائی میں ہم نہیں ہار سکتے۔

جب یہ لشکر دشمن کے پڑاؤ کے پاس پہنچا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی فرمائی۔ پھر ایک دستہ کو دشمن کے مقابلے کے لئے آگے روانہ کیا۔ جونہی مسلمانوں کا یہ دستہ آگے بڑھا دشمن کی فوج کے سپاہیوں نے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپے بیٹھے تھے ان پر تیروں کی بوچھار برسانی شروع کر دی۔

مسلمانوں کا یہ دستہ اس خلافِ توقع تیر باری سے پریشان ہو گیا۔ اور اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ جب پچھلے دستوں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح سارا لشکر تتر بتر ہو گیا۔

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے جن کی آواز بلند تھی، فرمایا۔ لوگوں کو پکارو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارنا شروع کیا۔ اے جماعتِ انصار! اے بیعتِ رضوان والو۔ کہاں جا رہے ہو۔ اس آواز کو سنتے ہی مسلمانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور انہوں نے لوٹنا چاہا مگر اس بھگڑ میں ان کے اونٹ رو کے نہ رکے آخر وہ اپنی تلواریں سونت کر اونٹوں کی پشت پر سے کود پڑے اور دوبارہ جمع ہو کر دشمن پر اس زور سے حملہ کیا کہ اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور بنی ثقیف اور ہوازن اپنی عورتوں، بچوں اور بےشمار مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اسلام کی تاریخ میں یہ دوسرا موقع تھا کہ اسلام میں شکست کی صورت پیدا ہوئی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اتنے بڑے لشکر

کو دیکھ کر مسلمانوں کے دل میں کچھ گھمنڈ پیدا ہو گیا تھا اور انھوں نے اپنی تعداد کے بھروسہ پر دشمن کی چالوں کی پروا نہ کی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ لشکر میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خدا کے راستے میں لڑنے کے لئے نہیں نکلے تھے۔ بلکہ مال غنیمت حاصل کرنا ان کا مقصد تھا۔ اس لئے اس لڑائی سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائی صرف خدا کے واسطے ہونی چاہیئے اور انہیں اس راستے میں صرف خدا ہی کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

"حنین" میں شکست کھانے کے بعد دشمن کے کچھ آدمی طائف کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ یہ لوگ بہت سا کھانے پینے کا سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو بیٹھے۔ مسلمان اٹھارہ دن تک انہیں گھیرے پڑے رہے۔ مگر اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر رسول اکرم ﷺ صحابہؓ کی رائے کے مطابق انہیں چھوڑ کر لوٹ آئے۔ پھر کچھ مدت بعد یہ لوگ خود مدینہ حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔

ہمیں رسول اللہ ﷺ کافی ہیں: غزوۂ حنین میں دشمن بیشمار مال و اسباب چھوڑ کر بھاگے تھے، رسول اکرم ﷺ نے اس غنیمت کا زیادہ تر حصہ ان لوگوں میں تقسیم کیا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے تاکہ ان کا دل خوش ہو جائے۔ انصار میں سے بعض لوگوں کو یہ امتیاز اچھا نہ معلوم ہوا۔ اور انہوں نے آپس میں کہا۔ تعجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو تو مالِ غنیمت دے رہے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے۔ حالانکہ ہماری تلواریں ابھی تک قریش کے خون سے رنگین ہیں۔

کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے انھیں الگ ایک جگہ جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی اور کہا:۔

اے انصار! میں یہ کیا سُن رہا ہوں؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت کا راستہ دکھایا۔ تم لوگ تنگ دست تھے۔ خدا نے میری وجہ سے تمہیں آسودہ کیا۔ تم لوگ آپس میں دشمن تھے، خدا نے میرے ہاتھوں تمہیں ایک دوسرے کے گلے ملایا۔ اب تم دنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر دل میں میل لاتے ہو۔ اے انصار! تم لوگ تو اسلام پر ثابت قدم ہو چکے — یہ قریش نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ میں نے ان کا دل رکھنے کے لئے انہیں مالِ غنیمت دے دیا ہے۔ اے انصار کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ تو اونٹ اور بکریاں اپنے ساتھ لے جائیں اور تم خدا کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ۔ خدا کی قسم مجھے تو تم سے اتنی محبت ہے کہ اگر مہاجر نہ ہوتا تو انصاری ہونا پسند کرتا اور اگر لوگ جدا جدا راستے اختیار کرتے تو میں انصار کا راستہ اختیار کرتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سُن کر انصار بے اختیار رونے لگے اور اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور آنسو پونچھ کر کہنے لگے:۔ ہمیں مالِ غنیمت کی ضرورت نہیں ہے ہمارے لئے خدا اور اس کا رسول ﷺ کافی ہیں۔[1]

---

[1] نور الیقین ۱۲۔

مدینہ منورہ کو واپسی :-

اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد مقام "جعرّانہ" سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا۔ مکہ میں واپس تشریف لائے اور عمرہ ادا کیا۔ پھر حضرت عتاب بن اسید کو جن کی عمر اگرچہ صرف ۱۸ سال کی تھی مگر نیکی اور پرہیز گاری میں خاص درجہ رکھتے تھے۔ وہاں کا امیر مقرر کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

غزوۂ تبوک

سنہ ۹ھ کے درمیان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ شام کا عیسائی بادشاہ جس سے مقام "موتہ" میں مسلمانوں کا مقابلہ ہو چکا تھا، قیصر روم کی مدد سے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔
یہ سال قحط کا تھا، اور موسم بھی بہت گرم تھا اور پھر سفر بھی بہت دور کا تھا لیکن اسلام کے فدائی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی تیار ہو گئے۔

عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی قربانیاں :-

بہت سے مسلمان ایسے تھے جن کے پاس سفر کا سامان نہ تھا اس لئے چندہ کرنے کی ضرورت پیش آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال دار صحابہ کو اس نیک کام میں حصہ لینے کی دعوت

دی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ معہ ساز و سامان کے اور پچاس گھوڑے پیش کیے۔ جس طرف آپ نے یہ بھاری رقم حضورﷺ کی گود میں لاکر ڈالی تو حضورﷺ خوش ہوکر اسے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اس نیک عمل کے بعد عثمان کا کوئی عمل انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا "اے اللہ عثمانؓ سے راضی ہو کہ میں اس سے راضی ہوں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال و متاع جس کی قیمت چالیس ہزار درہم تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ آپﷺ نے پوچھا اے ابوبکر! تم نے اپنے بال بچوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ "اللہ اور رسول ان کے لئے کافی ہیں۔" حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے۔ اسی طرح دوسرے دولتمند صحابہؓ عبدالرحمٰن بن عوف، عباس، وطلحہ رضی اللہ عنہم نے بڑی بڑی رقمیں چندہ میں دیں۔ مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی اس چندہ میں دل کھول کر حصّہ لیا۔ بہت سی بیبیوں نے اپنے زیور اتار کر حضورﷺ کی خدمت میں بھیج دیئے [1]

جب اس طرح لشکر کا ساز و سامان مکمل ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہ کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ منافقین کی جماعت اس لشکر میں شریک نہیں ہوئی۔ بلکہ انھوں نے

---

[1] نور الیقین و محمد رسول اللہ۔

دوسرے لوگوں کو بھی بہکانے کی کوشش کی اور ان سے کہا کہ کہ اس گرمی میں مت جاؤ۔ خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی بھیجی کہ ان منافقوں سے کہہ دو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں خاندان کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ دیا۔ اور سب سے بڑے اسلامی لشکر کا جھنڈا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے آخری لڑائی لڑنے کے لئے نکلا تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمایا۔[1]

مقام تبوک (جو مدینہ سے ۱۴ منزل جانب دمشق ہے) میں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ مگر غسانی بادشاہ مقابلہ کے لئے نہ آیا اور لڑائی نہ ہوئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس روز تک یہاں ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں ایلہ (شام) کا حاکم یوحنا بن روبہ اور شام کے دوسرے شہروں جربا، اذرح اور مینیار کے رؤسا حاضر خدمت ہوئے اور جزیہ دینا قبول کر کے اسلام کی پناہ میں آگئے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو امان کا فرمان لکھ دیا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے آگے بڑھنے کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر خدا کا حکم ہے تب تو بے تامل بڑھے چلئے ورنہ آگے جانا مناسب نہیں۔ ہماری ہیبت عیسائی حکمرانوں کے دلوں پر چھا چکی ہے۔

---

[1] نور الیقین ۱۲

اور یہی ہمارا مقصد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر خدا کا حکم ہوتا تو میں تم لوگوں سے مشورہ نہ کرتا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اتفاق فرما کر مدینہ کو روانگی کا حکم دیا۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری لڑائی تھی۔

حج ابوبکرؓ:۔

ذی قعدہ ۹ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر الحج بنا کر تین سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمان حاجیوں کو اسلامی طریقے کے مطابق حج کرنے کی تعلیم دی اور پھر مقام منیٰ میں عرب کے مشرکین کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ عام پڑھوا کر سنوایا۔ اس اعلان کا خلاصہ یہ ہے۔

"جن مشرکوں سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے اس کی میعاد تک ان کے ساتھ اس معاہدے کی پابندی کی جائے گی لیکن جن مشرکوں سے کوئی معاہدہ نہیں ہے یا معاہدہ تو تھا مگر انہوں نے غداری کرکے اسے توڑ دیا، انکو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ذمہ داری سے بری ہیں۔

پھر منادی کرادی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے

ارادہ سے نہ آئے اور کوئی ننگا شخص جاہلیت کی رسم کے مطابق خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔

دشمن کیساتھ برتاؤ:۔

اسی سال ذی قعدہ کے مہینے میں عبداللہ بن اُبی کا انتقال ہوگیا۔ تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ یہ شخص مدینہ کے منافقوں کا سردار تھا۔ اور ہمیشہ درپردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کی شان دیکھو، کہ آپؐ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی اور قبرستان بھی تشریف لے گئے۔ بہت سے منافق آپ کا یہ اخلاق دیکھ کر سچے دل سے مسلمان ہوگئے۔ مگر پھر بعد میں خداوند تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی نماز پڑھنے اور ان کی قبر پر جانے کی ممانعت فرمادی[1]

تبلیغ کا طریقہ:۔

سنہ ۱۰ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو تبلیغ اسلام کے لئے یمن روانہ کیا۔ چلتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت کی کہ دیکھو لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا، سختی نہ برتنا، ان کا دل لبھانا، انہیں نفرت

---

[1] نورالیقین ۱۲

نہ دلانا۔ تم ان لوگوں کے پاس پہنچو گے جو اہلِ کتاب ہیں تو دیکھو پہلے انہیں "کلمہ" پڑھنے کی دعوت دینا۔ اگر وہ اِسے منظور کر لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے رات دن میں پانچ وقت کی نمازیں ان پر فرض کی ہیں۔ اگر وہ اسے بھی تسلیم کر لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ تعالےٰ نے اُن پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو امیر آدمیوں سے لے کر غریب آدمیوں کو دی جاتی ہے۔ اگر وہ اسے بھی مان لیں تو زکوٰۃ میں ان کا اچھا مال چھانٹ کر نہ لینا، اور دیکھو مظلوم کی بددعا سے بچنا۔ کیونکہ جب اس کے دل سے آہ نکلتی ہے تو اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہتا۔[1]

---

[1] حیاتِ سیّد العرب ۱۲

حجۃ الوداع

ذی قعدہ سنہ ۱۰ ھ میں سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم حج کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے اور اس شان سے نکلے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار جاں نثار آپ کے ساتھ تھے۔ یہ حج آپ ﷺ کا آخری حج تھا۔ چنانچہ اس موقع پر آپ نے جو خطبے دیئے انھیں اُمت کے نام آپ ﷺ کا آخری پیغام کہا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ نے خدا کی تعریف کے بعد فرمایا:۔

"لوگو! جو کچھ میں کہوں اُسے توجہ سے سنو، شاید اگلے سال پھر یہ موقع نہ ملے، دیکھو جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی عزت کرتے ہو اسی طرح تمہاری جان اور تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام دستور آج میں ملیامیٹ کرتا ہوں زمانۂ جاہلیت کی سود کی رسم اب بند کی جاتی ہے۔ اور پُرانے خون کے حق اب ختم کیے جاتے ہیں۔

لوگو! عورتیں تمہارے ہاتھوں میں بے بس ہیں، تم نے انہیں اللہ کو ضامن بنا کر حاصل کیا ہے، لہذا ان سے برتاؤ کرتے وقت اللہ سے ڈرنا، ان کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آنا، دیکھو غلاموں کیساتھ اچھا سلوک کرنا

جو خود کھاؤ وہی انھیں کھلانا اور جو خود پہنو انہیں پہنانا اور ان سے کوئی خطا ہو تو اُسے معاف کرنا۔

لوگو! تم سب کا پالنے والا ایک ہے اور تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے ورنہ یوں عرب والے اور عجم والے سب برابر ہیں۔

دیکھو میرے بعد کافر بن کر ایک دوسرے کو قتل نہ کرنے لگنا۔ میں دو چیزیں تمہارے لئے چھوڑے جاتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔ جب تک تم انہیں مضبوط پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔"

ان کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ آخر میں فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیچ بیچ میں صحابہؓ سے پوچھتے جاتے تھے بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اور جب صحابہؓ یہ جواب دیتے تھے کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اے اللہ تو گواہ رہ میں تبلیغ کا حق ادا کر چکا۔

اسی موقع پر سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔	آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

وفود کی آمد

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب عرب کے مختلف قبیلوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کا موقع ملا تو عام طور پر ان میں اسلام قبول کرنے کا میلان پیدا ہو گیا مگر پھر بھی چونکہ قریش ان کے دینی پیشوا تھے اس لئے وہ اس دین کی طرف اپنا قدم بڑھانے سے پہلے ان کی پیش قدمی کے منتظر تھے۔

"فتحِ مکہ" کے بعد جب قریش نے دین اسلام قبول کر لیا تو عرب کے دوسرے قبیلے بھی دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ سنہ ۹ ھ اور سنہ ۱۰ ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے بہت سے قبیلوں کے وفد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ یہ وفد زیادہ تر سنہ ۱۰ ھ میں آئے اس لئے اس سال کو عام الوفود (وفدوں کا سال) کہا جاتا ہے۔ ان وفود میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تعلیم معلوم ہو جائے۔

وفد ثقیف:۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد بنی ثقیف کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے قریب ان کا خیمہ لگوا دیا تاکہ

مسلمانوں کی عبادت کا طریقہ دیکھ سکیں اور قرآن کریم کو سن سکیں۔ بنی ثقیف نے کچھ دن مدینہ میں رہنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی العاص کو ان کا امام مقرر کر دیا۔ یہ اگرچہ سب سے کم عمر تھے مگر اسلام کی تعلیم سے سب سے زیادہ واقف تھے۔ جتنے دن وفد مدینہ میں رہا انہوں نے اتنے ہی دن میں اپنی قوم سے چھپ چھپ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بہت سی قرآن کی سورتیں اور دین کے احکام سیکھ لئے تھے۔

وفد نجران :-

نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے جو سنہری کام کا ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ انھوں نے حضورؐ کی خدمت میں قیمتی اونی چادریں اور تصویر دار بچھونے تحفہ کے طور پر پیش کئے۔ آپؐ نے چادریں قبول کر لیں۔ مگر بچھونے واپس فرما دیئے۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو مسجد نبوی ہی میں انہوں نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو تم سے پہلے مسلمان ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں حائل ہیں۔ صلیب کی عبادت کرنا، سوُر کا گوشت کھانا اور عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا سمجھنا۔

اہل وفد نے کہا۔ عیسیٰؑ کی طرح کوئی بِن باپ کے پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے ضرور ان کا باپ خدا ہے۔

اس پر وحی خداوندی کے مطابق آپ ﷺ نے انہیں جواب دیا کہ خدا نے آدم علیہ السلام کو بھی تو بن باپ کے ہی پیدا کیا تھا۔

مگر یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے بلکہ جزیہ دینا منظور کر کے اسلام کی پناہ میں آ گئے۔

وفد ضمام :-

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنی مجلس میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ ضمام بن ثعلبہ جو بنی سعد بن بکر کا ایک سردار تھا اپنے اونٹ کو لئے ہوئے صحن مسجد میں داخل ہوا۔ آتے ہی کہا تم میں عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آپ ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر کہا، مجھے آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں اگر سخت معلوم ہوں تو ناراض نہ ہونا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، تمہارا جو جی چاہے پوچھو۔ چنانچہ اس نے حضور ﷺ سے اسلام کی تعلیمات کے متعلق کچھ سوالات کیے جن کے قابلِ اطمینان جواب پا کر وہ خود بھی مسلمان ہو گیا اور اپنی ساری قوم کو بھی مسلمان بنا لیا۔

وفد عبدالقیس :-

قبیلۂ عبدالقیس کا وطن بحرین تھا۔ یہ لوگ بڑا لمبا سفر کر کے آئے تھے جونہی مسجد نبوی کے دروازہ پر پہنچے اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک نظر آیا تو بے تابی کے عالم میں اپنے کجاووں سے

کود کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم چوم لئے اور بڑے شوق سے اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اس قبیلہ میں چونکہ شراب پینے کا بہت رواج تھا اس لئے آپ ﷺ نے انھیں خاص طور پر شراب پینے سے منع فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے وطن کی آب و ہوا ایسی ہے کہ اگر ہم شراب نہ پئیں تو بیمار ہو جائیں اس لئے تھوڑی سی شراب پینے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تھوڑی ہی پھر بہت ہو جائے گی اور مستی کی حالت میں بھائی بھائی کا خون بہانے لگے گا۔

وفد بنی حنیفہ :۔

بنی حنیفہ کا وفد بھی سرکار ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ اسی قبیلہ میں ایک شخص مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ اس نے کہا میں اس شرط پر مسلمان ہو سکتا ہوں کہ آپ اپنے بعد مجھے مسلمانوں کا خلیفہ مقرر فرما دیں۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت ایک ٹہنی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا خلافت تو بڑی چیز ہے، تم کو تو میں یہ شاخ بھی نہیں دوں گا غرض مسیلمہ مسلمان نہ ہوا، وہ عزت کا بھوکا تھا۔ اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ذلت کے ساتھ مارا گیا۔

وفدِ کندہ :۔

وفدِ کندہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے سردار اشعث بن قیس نے اپنے ہاتھ میں کوئی

چیز چھپالی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بتائیے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سبحان اللہ یہ تو کاہنوں کا کام ہے، میں کاہن نہیں ہوں، میں تو خدا کا نبی ہوں اور اس کا سچا کلام لے کر آیا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قرآن مجید کی آیتیں سنائیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے پوچھا، بولو اسلام لاتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر ان ریشمین چادروں کو کیوں گلے میں ڈال رکھا ہے؟ وفد والوں نے فوراً اپنی چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر پھینک دیا اور مسلمان ہو گئے۔

وفدِ تجیبؓ:۔

قبیلۂ تجیب کے تیرہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی لے کر آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خاطر مدارات کی اور ان کا مال ان کو لوٹا کر کہا، یہ اپنے ہاں کے ہی غریبوں کو دے دینا۔ وفد والوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اپنے ہاں کے غریبوں کو تو دے چکے۔ یہ تو ہم یہیں کے لئے لائے ہیں۔ ان کا یہ اصرار دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبیلوں میں سے کوئی قبیلہ ان جیسا مخیّر نہیں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہدایت خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کا دل ایمان کے لئے کھولنا چاہتا

ہے کھول دیتا ہے۔
ان لوگوں نے ذوق و شوق سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور جب چلنے لگے تو آپؐ نے انھیں دوسرے وفدوں سے زیادہ تحفے تحائف دیئے۔ ان میں سے ایک لڑکا سامان کی حفاظت کے لئے رہ گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی تحفہ دینے کے لئے بلایا۔ جب یہ لڑکا آیا تو کہنے لگا یا رسول اللہؐ آپ نے اوروں کی حاجتیں تو پوری کر دیں۔ میری حاجت بھی پوری کر دیجئے۔ آپؐ نے پوچھا تمہاری حاجت کیا ہے۔؟ اس نے کہا یا رسولؐ اللہ خدا سے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی کر دے۔ حضورؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور جو کچھ دوسروں کو دیا تھا وہ بھی عطا فرمایا۔[1]

غرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کے مختلف قبیلوں کے جو وفد آتے آپ انھیں ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ ان کے ساتھ اخلاق اور محبت کے ساتھ پیش آتے، انھیں اسلام کی تعلیمات سے واقف کرتے اور جب وہ واپس جاتے تو انھیں تحفے دے کر رخصت کرتے۔ آپؐ کے اس برتاؤ سے عرب کے چپہ چپہ میں آپؐ کے عمدہ اخلاق کا ڈنکہ بج گیا اور اسلام کی روشنی سے بادشاہوں کے محل اور غریبوں کے جھونپڑے جگمگا اٹھے۔

---

[1] نور الیقین۔

وفات

جب خدا کا پیغام عام ہو گیا اور نبوت اپنا کام انجام دے چکی تو خدا نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے اس ارادہ کا اظہار صحابہؓ کے مجمع میں ان لفظوں کے ساتھ فرمایا۔

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ چاہے وہ دنیا کی بہار کو پسند کر لے یا خدا کے یہاں جو نعمت ہے اُسے، تو اس بندہ نے خدا کے ہاں کی نعمت کو پسند کر لیا۔"

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ماں باپ آپ پر صدقے، یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس ذہانت اور محبت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے، اگر میں کسی انسان کو اپنا دوست بناتا تو وہ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوتے۔ لیکن پھر بھی ابوبکرؓ میرے بھائی ہیں مسجد میں کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں لیکن ابوبکرؓ کی کھڑکی بند نہ کی جائے۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق اشارہ موجود ہے۔

---

[1] نور الیقین۔

بیماری:۔

۲۸ صفر ۱۱ھ کو جب کہ حضورؐ کا قیام حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھا، آپؐ کے سر میں درد ہوا جس نے بعد میں بخار کی صورت اختیار کر لی۔ جب مرض بڑھ گیا تو آپؐ نے دوسری بیویوں سے بیماری کے زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رہنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تشریف لے آئے۔ یہاں آکر بخار تیز ہو گیا اور اس قدر تیز ہوا کہ آپؐ نے فرمایا میرے بدن پر ٹھنڈا پانی بہاؤ تاکہ بخار کی تیزی کم ہو۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد تشریف لانے میں تکلیف ہونے لگی تو آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو وہ امامت کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کئی بار عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ابوبکرؓ کمزور دل کے ہیں، وہ رونے لگیں گے اور ان کی آواز نہ نکل سکے گی۔ یہ خدمت کسی اور کے سپرد کیجئے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار یہی جواب دیا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ چنانچہ حضورؐ کی بجائے حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے۔[1]

آخری خطبہ:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانے میں ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انصار کی ایک مجلس

---

[1] حیات سید العرب ج ۲۔

میں گذر ہوا، کیا دیکھتے ہیں کہ سب پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا بھائیو! کیوں رو رہے ہو؟ انصار نے جواب دیا:۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس یاد آتی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ اپنے جاں نثاروں کی اس تکلیف سے بے قرار ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فضل بن عباسؓ کے کاندھوں پر سہارا دے کر سر پر پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ صحابہؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے ہیں تو دیوانوں کی طرح دوڑتے ہوئے آئے اور پروانوں کی طرح نثار ہونے لگے۔ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا، جس کے چند ٹکڑے یہ ہیں:۔

"لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے ڈر رہے ہو، کیا کوئی نبی اپنی امت کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے جو میں تمہارے ساتھ ہمیشہ رہوں؟ سُن لو کہ اب میں خدا سے ملنے والا ہوں اور کچھ عرصہ بعد تم بھی مجھ سے آملو گے، میں انصار کو مہاجرین سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور مہاجرین کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ آپس میں بھی اچھا برتاؤ کریں اور انصار کے ساتھ بھی اچھی طرح پیش آئیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تنگ دستی کے باوجود اپنی ضرورتوں پر مہاجرین کی ضرورتوں کو مقدم رکھا۔

یاد رکھو! میں پہلے جا رہا ہوں اور تم سب مجھ سے بعد میں آملو گے۔ اب تم سے حوضِ کوثر پر ملاقات ہوگی، سن لو جو مجھ سے حوضِ کوثر پر ملاقات کرنا چاہے اُسے چاہیئے کہ اپنا ہاتھ اور اپنی زبان غیر مناسب موقعوں پر استعمال نہ کرے۔"

اس تشفی اور نصیحت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں واپس تشریف لے گئے۔[1]

آخری دیدار:۔

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض روز بروز بڑھتا رہا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقامی فرماتے رہے۔ ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو فجر کے وقت مسجدِ نبوی میں نماز ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے کہ یکایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ کا پردہ ہٹا اور سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا نورانی چہرہ نمودار ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جماعتی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں اپنا مذہبی فرض ادا کرتے دیکھا تو بے اختیار چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ کی لہریں دوڑ گئیں۔ ادھر صحابہؓ کی نگاہیں جو آقا و مولیٰ کے چہرہ پر پڑیں تو دل خوشی کے طوفان سے ڈگمگانے لگے اور قریب تھا کہ نمازیں توڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کو چوم لیں کہ حضور نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا اور نماز کو جاری رکھنے کا حکم دیا اور پھر

---

[1] نور الیقین و محمد رسول اللہ سنہ ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء۔

حجرہ میں داخل ہو کر پردہ کھینچ لیا۔[1]

وفات :۔

اسی دن سہ پہر کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ نگاہیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہیں اور زبان مبارک اَللّٰھُمَّ الرَّفِیق الاعلیٰ (اے اللہ اے معزز رفیق) ہے، سمجھ گئیں کہ رفیق اعلیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں نبوت کا سورج، اپنی روشنی سے ہزاروں چاند ستاروں کو جگمگاتا چھوڑ کر دنیا کی ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک قمری حساب سے ۶۳ سال تین دن اور شمسی حساب سے ۶۱ سال ۸۴ دن کی ہوئی۔[2]

صحابہ رض کا ہراس :۔

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر بجلی کی طرح آن کی آن میں اِدھر سے اُدھر تک پھیل گئی۔ مگر صحابۂ کرام رض کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت اس درجہ تھی کہ وہ کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا تصور دماغ میں لانے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور ان کا دل اس بات کو نہیں مانتا تھا کہ موت کا فرشتہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قابو پا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جو یہ کہے گا کہ سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲ [2] نور الیقین ۱۲

صدیقِ اکبرؓ کی استقامت :-

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خدا تعالیٰ نے سمجھ اور برداشت کا مادہ سب سے زیادہ دیا تھا۔ آپؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو مسجد میں تشریف لائے اور اعلان کیا :-

"لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آپ کا وصال ہوگیا اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور پھر اسکے بعد دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی :-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ٥ ———

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مرجائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں (اسلام سے) پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اللہ جلد ہی شکر گذاروں کو بدلہ دے گا۔[1]

---

[1] حیات سید العرب ۱۲۔ [2] حضورؐ کو حضرت علیؓ نے غسل دیا اور حضرت عباسؓ اور اُن کے صاحبزادوں فضلؓ و قثمؓ نے اور اُسامہؓ و شقرانؓ نے جو حضورؐ کے آزاد کیے غلام تھے، حضرت علی کا ہاتھ بٹایا۔ اور انہی حضرات نے آپؐ کو قبر میں اُتارا۔ حضرت بلالؓ نے قبر مبارک پر پانی چھڑکا۔

دفن :-

حضرت ابوبکرؓ کے اس اعلان کے بعد صحابہؓ کو کہیں حضورؐ کی وفات کا یقین آیا۔ آپؐ کو غسل دے کر جنازہ مبارک حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کے حجرہ میں رکھ دیا گیا۔ صحابہؓ ایک ایک کر کے آتے رہے اور نماز ادا کر کے جاتے رہے۔ یہ سلسلہ چہار شنبہ (بدھ) کی رات تک جاری رہا۔ جب صحابہؓ اپنے پیارے نبیؐ کا آخری دیدار کر چکے تو انبیائے کرامؑ کے دستور کے مطابق اسی حجرہ میں آپؐ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ قبر شریف کچی اور ایک بالشت اونچی بنائی گئی۔

حُلیۂ مُبارک :-

حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کمالِ باطنی سے مزین تھے اسی طرح جمالِ ظاہری سے بھی آراستہ تھے۔

آپؐ کا چہرۂ مبارک سرخ و سفید اور چمکیلا تھا۔ سیاہ نرگسی آنکھیں تھیں جن میں سرخ ڈورے پڑے تھے، پلکیں باریک اور گھنی تھیں، ناک ستواں تھی۔ پیشانی چوڑی تھی۔ داڑھی گھنی تھی جس سے سینۂ مبارک بھر جاتا تھا۔ سینہ کشادہ تھا، مونڈھے بھاری تھے، سینہ اور ناف کے درمیان بالوں کا ایک باریک ڈورا تھا۔ سر کے بال کسی قدر خم کھائے ہوئے تھے۔ دانت اولوں کی طرح چمکیلے تھے۔ گردن صراحی دار تھی۔ قد درمیانی تھا۔ پھر بھی کسی کے ساتھ چلتے تو اس سے کچھ نکلے ہوئے ہی معلوم ہوتے۔ جسم گٹھا ہوا تھا اور گوشت

نرم۔ براءؓ بن عازب کہتے ہیں کہ میں نے سرخ حلہ میں کسی شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت نہیں پایا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جو آپؐ کو یکایک دیکھتا مرعوب ہو جاتا۔ اور جو آپ سے ملتا جلتا آپؐ کو محبوب بنالیتا' جو آپؐ کا وصف بیان کرتا اُسے کہنا پڑتا کہ "آپؐ جیسا نہ کوئی آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپؐ کے بعد۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے کافر آپؐ کا چہرۂ زیبا دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور کہہ اٹھتے تھے کہ" جھوٹے کی صورت ایسی نہیں ہو سکتی۔[1]

اُمت کی مائیں:۔

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی ضرورتوں کی وجہ سے عرب کے مختلف خاندانوں سے تعلقات پیدا کرنے کے لئے کئی شادیاں کیں۔ آپؐ کی محترم بیویوں کے (جو آپ کی اُمت کی مائیں ہیں) نام یہ ہیں۔

حضرت خدیجہؓ بنت خویلد۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ۔ حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ۔ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ۔ حضرت اُم سلمہؓ بنتِ سہیل۔ حضرت زینبؓ بنت جحش۔ حضرت جویریہؓ بنت حارث۔ حضرت اُم حبیبہؓ بنتِ ابی سفیانؓ۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی۔ حضرت میمونہؓ بنت الحارث۔

[1] نور الیقین بحوالہ شفاء قاضی عیاض

ان محترم بیویوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپ کے نکاح میں آئیں، اس وقت ان کی عمر چالیس کی اور حضورؐ کی پچیس سال کی تھی۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔ پچیس سال کی رفاقت کے بعد جب ان کا انتقال ہوگیا تو آپؐ نے دوسری شادیاں کیں۔ اس وقت آپؐ کی عمرِ مبارک پچاس سال کی ہو چکی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ کے علاوہ باقی سب امت کی مائیں موجود تھیں۔ ان ماؤں سے امت کو بہت سی دین کی باتیں معلوم ہوئیں۔ خاص کر حضرت عائشہؓ بنتِ ابی بکر صدیقؓ کی بیان کی ہوئی حدیثوں سے تو کتبِ حدیث کے خزانے لبریز ہیں۔

اولادِ مبارک:۔

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حضرت قاسمؓ (۲) حضرت عبداللہؓ (۳) حضرت ابراہیمؓ (۴) حضرت زینبؓ (۵) حضرت رقیہؓ (۶) حضرت فاطمہؓ (۷) حضرت اُمِ کلثومؓ۔

سوائے حضرت ابراھیم کے، حضورؐ کی یہ تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی۔ حضرت ابراہیمؓ

حضرت ماریہؓ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ماریہؓ کو مصر کے بادشاہ مقوقس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی "اُمِّ ولد" بن گئی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں صاحبزادے بچپن ہی میں خدا کو پیارے ہوئے۔ البتہ سب صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور پروان چڑھیں۔

حضرت زینبؓ کا نکاح اُن کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہوا جو ہجرت کے بعد مدینہ آکر مسلمان ہو گئے تھے حضرت فاطمہؓ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی زینت بنیں اور حضرت رُقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے عقد میں آئیں۔ مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا کسی سے اولاد کا سلسلہ نہ چلا۔ حضرت فاطمہؓ کے دو صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دو صاحبزادیاں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ گلشنِ نبوت کے دونوں نونہالوں (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) سے بہت سے گل بوٹے کھلے اور سرکارِ نامدارؐ کی جسمانی اولاد کا سلسلہ پھیلا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ۔ وحیاھم باطیب التحیات ورفع المھاجرین والانصار فی ارفع الدرجات۔

اخلاق و عادات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم [1]

آپ اپنی تعلیم کا خود مکمل علمی نمونہ تھے، مجمع عام میں جو کچھ فرماتے گھر کی تنہائی میں بھی اسی رنگ میں نظر آتے۔ اخلاق و عمل اور طہارت و پاکیزگی کا جو نکتہ دوسروں کو سکھاتے پہلے خود اس کا عملی نمونہ بن جاتے۔ انسان کی حالت کا بیوی سے زیادہ کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے۔ انہوں نے کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے، جو کچھ قرآن میں ہے وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ خود قرآن نے اس کی گواہی دی اور اعلان کیا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ یعنی اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ بے شبہ حسنِ اخلاق کے بڑے مرتبے پر فائز ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہی تھیں۔ نبوت کے شروع دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لفظوں سے تسلی دیتی تھیں: "خدا کی

---

[1] از عتیق الرحمن عثمانی

قسم اللہ آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، کیونکہ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں، عزیزوں، رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں، مقروضوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے سہاروں اور غریبوں کی امداد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شروعِ نبوت سے آخر عمر تک کم و بیش ۲۳ سال خدمتِ اقدس میں رہے تھے، ان سے ایک دفعہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کے متعلق سوال کیا، حضرت علیؓ فرمایا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم خو، خندہ جبین، مہربان، نرم دل تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، کوئی برا کلمہ کبھی زبان سے نہ نکالتے تھے، عیب جو نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو اس سے چشم پوشی فرماتے تھے، اپنے نفس سے تین چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل دور کر دی تھیں، بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا، دوسروں کے متعلق بھی تین چیزوں سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کے اندر کے حالات کی ٹوہ اور تلاش میں نہیں رہتے تھے، کسی کے عیب نہیں نکالتے تھے، وہی باتیں کرتے تھے جس سے کوئی مفید نتیجہ نکلتا۔ کوئی باہر کا بے پڑھا لکھا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو تحمل فرماتے اور برداشت سے کام لیتے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان و انعام

کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپؐ اس کی بات درمیان سے نہ کاٹتے تھے نہایت فیاض، نہایت سچے، نہایت شیریں مزاج اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتاً آپؐ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا، آپؐ سے محبت کرنے لگتا اور بے تکلف ہو جاتا تھا۔

جہاں تک ہو سکتا سب کی درخواست پوری کرتے، تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" نہیں کہا، خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے ایک مرتبہ ایک صحابی کی شادی ہوئی، ان کے پاس ولیمہ کا کچھ سامان نہ تھا۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ، اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، حالانکہ گھر میں اس آٹے کے علاوہ شام کے لئے کچھ بھی نہیں تھا، دنیا سے بے تعلقی اور فیاضی کی یہ کیفیت تھی کہ گھر میں نقد کی صورت میں جو کچھ ہوتا جب تک وہ سب خیرات نہ کر دیا جاتا، اکثر گھر میں آرام نہ فرماتے، ایک بار فدک کے رئیس نے چار اونٹوں پر غلہ بھیجا، اس کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا پھر بھی کچھ بچ رہا، آپؐ نے فرمایا کہ جبتک کچھ بھی باقی رہے گا میں گھر میں نہیں جا سکتا، رات مسجد میں گذاری، دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ بچا ہوا غلہ تقسیم ہو چکا ہے تو گھر تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ نوّے ہزار درہم خدمت مبارک میں پیش کیے گئے جو ایک چٹائی پر آپؐ کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ آپؐ ان کو تقسیم فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک ایک درہم بانٹ ڈالا اور کسی

ایک سائل کو بھی واپس نہیں فرمایا[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی کا عام شہرہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مسلمان اور غیر مسلمان سب ہی مہمان ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کی مدارات کرتے اور بنفس نفیس سب کی خدمت کرتے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مہمان آگئے اور گھر میں جو کچھ موجود ہے وہ انکو کھلا دیا گیا اور پورے گھر نے فاقہ کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک غیر مسلم مہمان ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ایک بکری کا دُودھ دیا وہ پورا دُودھ پی گیا، آپ نے دوسری بکری منگائی۔ یہ اس کا بھی دُودھ پی گیا، یہاں تک کہ سات بکریوں تک یہی صورت رہی۔ جب تک اس کا پیٹ نہیں بھر گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر دُودھ پلاتے رہے۔

راتوں کو اٹھ اٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے تھے۔ گھر میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بےشمار جاں نثار خادم موجود تھے، ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے" جواب دیا کہ گھر کے کاموں میں لگے رہتے تھے، کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے، گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، خود ہی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے۔

---

[1] عیون الاثر ابن سید الناس ج ۲ صفحہ ۳۴۳

ایک دفعہ حضرت اُنسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ دونوں جہان کا سردار اپنے دستِ مبارک سے اونٹ کے بدن پر تیل مل رہا ہے۔

مجمع میں بیٹھتے تو سب کے برابر ہو کر بیٹھتے، مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کی کھدائی میں سب مزدوروں کے ساتھ مِل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کام کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں امیر و غریب، آقا و غلام سب برابر تھے۔ سلمان و صہیب اور بلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قریش کے بڑے بڑے رئیسوں سے کم مرتبہ نہ تھے۔

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جُرم میں گرفتار ہوئی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت چاہتے تھے، لوگوں نے اس عورت کے متعلق اُن سے سفارش کرائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع سے فرمایا "کہ تم سے پہلے کی قومیں اِس لئے برباد ہوئیں کہ اُن کا طریقہ یہ ہو گیا تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی جُرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور معمولی اور کم درجہ کا آدمی مجرم ہوتا تو سزا پاتا۔ خدا کی قسم اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اُس کے ہاتھ بھی کاٹے جاتے"

غزوۂ بدر میں دُوسرے قیدیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔

قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کیا جا رہا تھا۔ بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ عباس آپ ﷺ سے قرابت رکھتے ہیں گذارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زرِ فدیہ معاف کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔

حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے پورے دس برس خدمتِ اقدس میں گزارے مگر اتنی لمبی مدّت میں آپ ﷺ نے مجھے نہ کبھی ڈانٹا، نہ مارا، نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا۔ اور یہ کیوں نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے تمام عمر کبھی کِسی کو نہیں مارا۔"

یہی حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بہادر تھے۔

ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آپہنچے، لوگ مقابلے کے لئے تیار ہوئے لیکن سب سے پہلے جو شخص آگے بڑھ کر نکلا وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ ﷺ نے اس کا بھی انتظار نہیں فرمایا کہ گھوڑے پر زین کَسی جائے۔ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر تمام خطروں کے موقعوں کا چکّر لگایا اور واپس تشریف لا کر لوگوں کو تسکین دی کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں۔"

اس کے باوجود تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کِسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا اور نہ کبھی کِسی سے انتقام اور بدلہ لیا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حارث کے بیٹے غورث نے ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کرنا چاہا تلوار سونت کر کہنے لگا محمدؐ! بتاؤ اب تم کو میری گرفت سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُر رعب لہجے میں بے جھجک فرمایا "اللہ" نبوت کی پُر جلال آواز کا غورث پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے اور تلوار چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار اٹھا کر فرمایا، غورث! بتاؤ اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا۔ غورث نے جواب دیا "کوئی نہیں، آپ ہی چاہیں تو بچا سکتے ہیں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معافی دے دی۔ رحمتِ عالم کے اس عفوودرگذر کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور مسلمان ہوگیا اور اپنی قوم سے جاکر کہا، میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو انسانوں میں سب سے بہتر ہے چنانچہ اس کی قوم بھی مسلمان ہوگئی۔

اُحد کے میدان میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر طرف سے پتھروں، تیروں تلواروں اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑے رہے۔ حنین کی لڑائی میں اکثر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے۔ عام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے اکثر معرکوں میں وہاں ہوتے تھے جہاں کھڑا ہونا بڑے بڑے بہادر اپنی بہادری کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے مگر ایسے خوفناک مقامات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اُحد میں جب سر مبارک

زخمی اور دندانِ مبارک شہید ہوا' یہی فرماتے رہے" خدایا! انہیں معاف کر اور سیدھا راستہ دکھا کہ یہ جانتے نہیں" سالہا سال تک بے پناہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھانے کے بعد بھی مایوسی کا آپکے آس پاس گزر نہیں ہوا۔ مکہ میں جو مصیبتیں آپ ﷺ کے جاں نثار ساتھی جھیل رہے تھے ان سے گھبرا کر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ ہم لوگوں کے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور یہ سن کر سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے بندگانِ خدا بھی گزرے ہیں جن کو آروں سے چیرا گیا، جن کے جسم پر لوہے کی کنگھیاں چلائی گئیں' لیکن یہ ایذائیں بھی ان کو حق سے اور سچائی کے راستے سے پھیر نہ سکیں' خدا کی قسم دینِ اسلام اپنے کمال کی انتہا کو پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعاء (یمن) سے حضرموت ایک سوار اس طرح بے کھٹکے چلا جائے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔" یہی ہوا اور آپ ﷺ کے اقتدار کا پرچم سارے عرب پر لہرانے لگا۔ آپ ﷺ کے مہربان چچا ابوطالب جنہوں نے آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی محبت کے لئے تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا تھا، جنہوں نے آپ کی خاطر فاقے اٹھائے تھے اور رنگ رنگ کی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کی تھیں' قریش کے نہ ختم ہونے والے ظلموں سے تنگ آکر انھوں نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہلکے اور مختصر لفظوں میں کہا۔
جانِ عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پشت پناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے۔ آپ

نے یہ دیکھ کر کہ اب جاں چھڑکنے والے چچا کے پاؤں بھی لغزش کرنے لگے، آبدیدہ ہوکر فرمایا، چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی اعلانِ حق سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر قربان ہو جاؤں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لین دین کے معاملوں میں آئینے سے بھی زیادہ صاف تھے، فرماتے تھے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے اونٹ قرض لیا جب واپس کیا تو اس سے بہتر واپس کیا۔ ایک دفعہ کسی سے پیالہ بطور عاریت لیا اتفاق سے وہ گم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاوان ادا فرمایا، ایسے ہی ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں، چند دنوں کے بعد وہ شخص تقاضے کو آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دیں۔ انصاری نے جو کھجوریں دیں وہ اتنی عمدہ نہیں تھیں جیسی اس شخص نے دی تھیں۔ چنانچہ اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر انصاری نے کہا تم رسول اللہ کی دی ہوئی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو۔ بولا ہاں، اللہ کا رسول بھی انصاف نہیں کرے گا تو پھر کس سے توقع کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنیں تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے۔

ایفائے عہد اور وعدے کا پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کے ماننے پر مجبور تھے۔ شہنشاہ روم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور صداقت کو جانچنے کے لئے ابوسفیان

سے جو بہت سے سوال کئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ "کیا کبھی محمد ﷺ نے بدعہدی کی ہے؟" ابوسفیان نے جواب دیا، نہیں۔

صفوان بن امیہؓ اسلام لانے سے پہلے دینِ حق کے بڑے سخت دشمنوں میں تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے۔ ایک صحابی نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمامہ مبارک مرحمت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ صفوان کے امان کی نشانی ہے۔ یہ صحابی عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں تمہارے لئے امان ہے، صفوان جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، کیا آپ ﷺ نے مجھے امان دی ہے۔ فرمایا ہاں۔ صلح حدیبیہ کی بہت سی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ مکہ والوں کے طلب کرنے پر واپس کر دیا جائے گا۔ ٹھیک اس وقت کہ معاہدہ کی شرطیں لکھی جا رہی تھیں ابوجندلؓ پابزنجیر مکہ والوں کی قید سے بھاگ کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی، تمام مسلمان یہ منظر دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ لیکن آپ ﷺ نے صاف فرمادیا، ابوجندل! صبر کرو ہم بدعہدی نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ جلد تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔

غیر مسلموں کے ساتھ آپ ﷺ کے حسنِ خلق اور اچھے برتاؤ کے بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اسی صلح حدیبیہ کے زمانے میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں، مدینہ میں ان کے پاس آئیں، اسماءؓ کو خیال ہوا کہ اہلِ شرک کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا "اُن کے ساتھ نیکی کرو" ابوبصرہ غفاری کہتے ہیں کہ وہ اسلام لانے سے پہلے مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوئے۔ رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا اور میری اس حرکت کی وجہ سے تمام گھر بھوکا رہا۔

دنیا سے کامل بے رغبتی کے باوجود آپ ﷺ خشک مزاج نہیں تھے اور آپ ﷺ کو رُوکھا پن پسند نہ تھا، کبھی کبھی دلچسپی اور تفریح کی باتیں فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو پکارا تو فرمایا "او دو کان والے" ان لفظوں میں حضرت انسؓ کی اطاعت شعاری کی طرف بھی خاص اشارہ تھا کیونکہ وہ ہر وقت حضور ﷺ کے ارشادات پر کان لگائے رکھتے تھے۔

انہی حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی ابوعمیر نے جو بہت کم عمر تھے، ایک مولا پال رکھا تھا، اتفاق سے وہ مرگیا، ابوعمیرؓ کو اسکی موت کا بہت رنج ہوا۔ آپ ﷺ نے بچّہ کو غم زدہ دیکھ کر محبت کے پیارے انداز میں فرمایا ابوعمیر! تمہارے مولے نے یہ کیا کیا۔

ایک بار ایک بڑھیا خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ مجھے بہشت نصیب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بڑھیاں جنّت میں نہ جائیں گی، یہ سُنکر اُسے بہت ملال ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی۔ آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا اس سے کہہ دو کہ بڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔

آپؐ کی احتیاط کی یہ کیفیت تھی کہ کسی کے گھر جاتے تو دروازے کے دائیں، بائیں کھڑے ہوکر اجازت طلب کرتے، سامنے اس لئے کھڑے نہ ہوتے کہ کہیں نظر گھر کے اندر نہ پڑ جائے۔

بیماروں کی عیادت (مزاج پُرسی) میں دوست، دشمن، مومن، کافر، مُسلم، غیر مُسلم کسی کی خصوصیت نہیں تھی، صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں مبتلا ہوا تو آپؐ اس کو پوچھنے تشریف لے گئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضورؐ بیمار کی مزاج پُرسی کا بہت اچھی طرح خیال رکھتے تھے۔

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا وہ مرگیا تو لوگوں نے آپؐ کو اسکی خبر نہ کی، ایک روز آپؐ نے ازخود اس کا حال دریافت فرمایا۔ حاضرین نے کہا وہ تو گزر گیا، فرمایا تم نے مجھ کو خبر نہ کی۔

آپؐ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت فرمائی اور وہاں جاکر جنازے کی نماز پڑھی۔

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ عادت مُبارک یہ تھی کہ سفر سے واپس تشریف لاتے تو راستے میں جو بچّے مِلتے ان میں سے کسی کسی کو سواری پر اپنے ساتھ آگے پیچھے بٹھاتے، راستے میں بچّے مِل جاتے تو ان کو خود سلام کرتے۔

خالد بن سعید کی چھوٹی بچی حضور ﷺ کی پشتِ مبارک پر جو مہرِ نبوت ابھری ہوئی تھی اس سے کھیلنے لگی۔ خالد نے اپنی بچی کو ڈانٹا۔ حضور ﷺ نے روکا اور فرمایا کہ کھیلنے دو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں نماز اس ارادے سے شروع کرتا ہوں کہ دیر میں ختم کروں گا' دفعتاً صف سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہو گی۔ ﷺ

یہ محبت و شفقت مسلمان بچوں تک ہی نہ تھی۔ مشرکوں کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف و کرم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے۔ آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو بہت آزردہ ہوئے۔ ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہؐ وہ تو مشرکین کے بچے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں' خبردار بچوں کو قتل نہ کرو' خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

صفائی ستھرائی کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے' ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا' اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔

ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تم کو کچھ مقدور ہے' کہنے لگا جی ہاں' ارشاد ہوا خدا نے نعمت دی ہے تو صورت اور ظاہری رنگ ڈھنگ سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیئے۔

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا اس سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ بالوں کو درست کرلے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق وعادات کا یہ بیان جو آپ نے ابھی پڑھا ہے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی کمالات کی وسعت کے لحاظ سے بہت ہی چھوٹا سا بیان ہے پھر بھی اس کتاب کی حیثیت اور اس کے مضامین کی ترتیب کے اعتبار سے کچھ بڑھ گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بچّوں اور بچیّوں اور اس کتاب کے تمام پڑھنے والوں کو دونوں جہان کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور نکھری ہوئی خصلتوں اور بلند اخلاق کے مطالعہ کا اچھی طرح موقع مل جائے اور وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؕ

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ اسرارِ محبّت جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دیدی
سلام اُس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دیدی
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں

سلام اُس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں
سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ جسکے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اُس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اُٹھاتا تھا
سلام اُس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اُس پر جو اُمت کے لئے راتوں کو روتا تھا
سلام اُس پر جو فرشِ خاک پر جاڑوں میں سوتا تھا
سلام اُس پر کہ جس کی سادگی درسِ بصیرت ہے
سلام اُس پر کہ جس کی ذات فخرِ آدمیت ہے
سلام اُس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اُس پر کہ مشکیں کاٹ دیں جس نے اسیروں کی
سلام اُس پر کہ تھا "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" جس کا سرمایہ
سلام اُس پر کہ جس کے جسم اطہر کا نہ تھا سایہ
سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"
سلام اُس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس کی سنگ پاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس نے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا
سلام اُس پر کہ جس کے حکم سے سورج پلٹ آیا

سلام اُس پر فضا جس نے زمانے کی بدل ڈالی
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کی قوت کچل ڈالی
سلام اُس پر شکستیں جس نے دیں باطل کی فوجوں کو
سلام اُس پر کہ ساکن کر دیا طوفاں کی موجوں کو

سلام اُس پر کہ جس نے کافروں کے زور کو توڑا
سلام اُس پر کہ جس نے پنجۂ بیداد کو موڑا
سلام اُس پر سرِ شاہنشہی جس نے جھکایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کو نیچا دکھایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اُس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا
سلام اُس پر بھلا سکتے نہیں جس کا کبھی احساں
سلام اُس پر مسلمانوں کو دی تلوار اور قرآں
سلام اُس پر کہ جس کا نام لے کر اُس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت، اوجِ دارائی
سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں
سلام اُس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا
مسلماں کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیوا
سلام اُس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے

درود اس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل و جاں ہے

درود اُس پر کہ جس کے خُلق کی تفسیر قرآں ہے
درود اُس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اُس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
درود اُس پر تبسّم جس کا گُل کے مُسکرانے میں
درود اُس پر کہ جس کا فیض ہے سارے زمانے میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لے کر پھول کھِلتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کے فیض سے دو دوست ملتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کا تذکرہ عینِ عبادت ہے
درود اُس پر کہ جس کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے
درود اُس پر کہ جو تھا صدرِ محفل پاکبازوں میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں
درود اُس پر مکینِ گنبدِ خضرا جسے کہیئے
درود اُس پر شبِ معراج کا دُولہا جسے کہیئے
درود اُس پر جسے شمعِ شبستانِ ازل کہیئے
درود اُس پر ابد کی بزم کا جس کو کنول کہیئے
درود اُس پر بہارِ گلشنِ عالم جسے کہیئے
درود اُس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہیئے
رسُولِ مجتبےٰ کہیئے محمّد مُصطفےٰ کہیئے
وہ جس کو ھادیٔ "دَعْ مَاکَدِرَ خُذْ مَاصَفَا" کہیئے
درود اُس پر کہ جو ماھِر کی اُمیّدوں کا ملجا ہے
درود اُس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے